رہبرِ ملّت

منظور عالمؒ

کے چند کارہائے نمایاں

رِیاسَت بنام جمہُوریت

محمود عالم طارق

رہبرِ ملّت

منظور عالم رح

کے چند کارہائے نمایاں

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنّا دے
جو قلب کو گرما دے اور روح کو تڑپا دے

رِیاسَت بنام جمہُوریت

محمود عالم طارق

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

تفصیلات کتب

نام کتاب : رہبرِ ملّت منظور عالم - ریاست بنام جمہوریت

مصنف : محمود عالم طارق

کمپوزنگ : محمود عالم طارق

طابع : گنیش آرٹ پرنٹرس بائیس گودام جے پور

سنہ اشاعت : اکتوبر ۲۰۱۴ء

تعداد : ۱۰۰۰

REHBAR E MILLAT

MANZOOR ALAM

RIYASAT BANAM JAMHOORIYAT

By: MAHMOOD ALAM TARIQ

E-Mail:matariq01@yahoo.com

ملنے کا پتہ

بیت المنظور- ۱۰۶۴ رام نگر شاستری نگر جے پور-203016

انتساب

ہماری

امّی

جن کی آنکھوں سے بھائی میاں کی جدائی کا غم آج بھی جھلکتا ہے
لیکن اپنے نواسے، نواسیوں، پوتے، پوتیوں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر
اُن کے چہرے پر آئی خوشی کی چمک، خاموش لبوں کا تبسم
اور دل سے نکلتی ہزاروں دعائیں ہماری زندگی کا سرمایہ ہیں۔
اللہ اُن کا شفقت بھرا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے
اُن کو تندرست وصحت یاب رکھے
اور ہمیں اُن کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا کرے۔

آمین

ہدیہ تشکّر

میں انتہائی مشکور وممنون اور شکر گزار ہوں

۔ڈاکٹر سیّد ظفر محمود صاحب کا جنھوں نے اس کتاب کی جملہ و اِملا کی اصلاح کی اور مقدمہ تحریر فرمایا۔

۔آپا بی، محبوب چچا، سعید چچا، سہیل بھائی، عذرا باجی اور اپنے عزیز دوست خالد عبیدی کا جنھوں نے میری یادداشت کو تازگی بخشی اور واقعات کو ترتیب دینے میں مدد فرمائی۔

۔ناظرہ باجی کا جن کی بھائی میاں پر تحقیقی تخلیق نے مجھے بھی اپنی یادداشت کے اثاثہ کو قلم بند کرنے کے لئے متحرک کیا اور تصنیف و تالیف میں مدد کی۔

۔مسعود بھائی کا جن کے بک ریڈر کے تحفہ پر سیکڑوں کتابیں ڈاؤن لوڈ کر کے میں نے پڑھیں، کچھ لکھنے کی ترغیب ملی اور شعور پیدا ہوا۔

۔رفیقِ حیات سارہ کا جن کی فراہم کردہ سہولتوں کے باعث مجھے اس کتاب کی تصنیف کا وقت ملا اور چھوٹی بہنوں اُمامہ، نگار، غزالہ، سمینہ اور دیبا کا جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں مدد کی، بھتیجی ایمن عالم نازکی کا جنھوں نے برٹش لائبریری لندن سے مفید معلومات فراہم کیں اور اپنے بچوں نداء، ہبہ اور بروج کا جنھوں نے کمپیوٹر کے مختلف پروگرام مجھے سمجھائے اور متعلقہ الجھنوں کو رفع کیا اور اپنے دادا ابو کی تصاویر جمع کرنے میں میرے معاون رہے۔

۔اُن سبھی خواتین و حضرات کا جنھوں نے بہت سے مقامات اور مرحلوں پر میری مدد فرمائی۔

فہرست مضامین

مقدمہ	7
پیش لفظ	11
تصاویر	23
تاریخی پس منظر	35
ریاست بنام جمہوریت	43
برٹش لائبریری لندن میں محفوظ دستاویز	88
تصاویر	89
مذہبِ اسلام اور فوجداری معاملات	101
رہبرِ ملّت منظور عالم	109
والدہ کی سرپرستی اور بہن بھائیوں کی خدمات	113
لاؤڈ اِسپیکر صاحب	119
جمہوری نواب	123

مقدمہ

جناب محمود عالم طارق صاحب نے والد ماجد منظور عالم صاحبؒ کی زندگی کے متعدد پہلوئں پر اس کتاب میں جو معلومات افزا روشنی ڈالی ہے وہ ہم سب اراکین عالم خاندان کے لئے سرمایہ حیات ہے۔ بچپن سے ہی طارق میاں کی تحریری طبع آزمائی (خصوصاً ماہنامہ نور میں ادویات پر ان کا مضمون) اب ستم ہائے روزگار سے ذرا سی فرصت ملتے ہی موجودہ کتاب لکھنے کی ان کی آمادگی کا مصدر بخوبی بیان کر دیتی ہے۔ رہبر ملت نے مصنف کو کچی عمر میں ہی جو سبق دیا کہ ان کے نام کا تعلق دنیا کے کامیاب ترین انقلابی و سرگرم ملی کارکن طارق بن زیاد سے کیا ہے اس کی موثر جھلک یہ کتاب لکھنے کی فکر و تحریک میں صاف نمایاں ہے۔

کتاب کی افادیت جتنی اہل خاندان کے لئے ہے اس سے زیادہ اس میں درج منظور عالم صاحب کی متحرک شخصیت کے گوناگوں پہلو ملت اسلامیہ ہند کے لئے مشعل راہ ہیں جس کے ذریعہ وہ جان سکتے ہیں کہ ان میں اللہ نے ظلم و زیادتی کے خلاف جدوجہد کرنے کی بے پناہ قوت و صلاحیت رکھی ہے۔ مصنف نے منظور صاحب کے ذریعہ ان کوششوں کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے اہل ٹونک میں خود اعتمادی، خود نگہداری اور خود وثوقی پیدا کرنے کے لئے کیں اور اس طرح انھوں نے عوام کی سوچ اور ذہنیت کو بدل دیا۔ منظور صاحب نے لوگوں کو سمجھایا کہ کس طرح زندگی میں عملی تدبیر کے ذریعہ تقدیر کو تبدیل کر کے اسے بہتر درجہ میں لایا جا سکتا ہے۔ موصوف خود ہمیشہ شیروانی و ٹوپی پہنے تنے ہوئے سینہ کے ساتھ صاف آواز میں کلام کرتے تھے جو قابلیت اور متوازی بحث پر مبنی ہوتا تھا، قرآن کریم کے تصورات پر انھیں عبور تھا

اور وہ علامہ اقبال کے اشعار سے اپنے نکتوں کو مزین کرتے تھے۔ اس خوش اصلوبی سے انھوں نے ملت میں امن پسند تحریک کو جنم دیا اور نواب کے دربار میں خود غرض مصاحبین کے منصوبوں سے عوامی مفاد کو خراش آنے سے محفوظ بھی رکھا۔

کتاب کا نام ریاست بنام جمہوریت خود بہت کارآمد پیغام دیتا ہے جس سے کافی عکاسی ہو جاتی ہے کہ منظور صاحب نے کس طرح ملت کی فلاح و بہبود کے لئے زمینی سطح کی تگ و دو کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا رکھا تھا۔ اس پس منظر میں غور کرنے پر احساس کے دریچے گدگدی کرتے ہیں کہ منظور صاحب کا لقب رہبر ملت کتاب کے بطن تحریر سے بیحد ہم آہنگ ہے۔ بیسویں صدی کے نصف اول کے دوران ریاست ٹونک میں نوابی خانوادہ کے ذریعہ عوامی استحصال کے خلاف منظور عالم صاحب کے ذریعہ ادارہ ساز اور کامیاب احتجاج اور اس کے لئے ذاتی عالم شباب کی بے لوث نظر و نیاز کی شاندار مثال دنیا میں یقیناً عنقا ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال نے ہمیں آپ کو صلاح دی کہ اگر ملک وملت سے اپنی محبت کو فروغ دینے کے لئے اُن کی اہم حقیقتوں سے ہمیں اپنے کو تازہ دم رکھنا ہے تو ہم ان سے متعلق مشہور اداروں اور افراد کی داستانوں کو وقتاً فوقتاً پڑھتے رہا کریں:

تازخوابی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

اقبال کا یہ شعر منظور صاحب نے اپنے قلم سے اپنی بیٹی اور میری نصف بہتر ڈاکٹر ناظرہ محمود کی کتاب ''منظور عالم: حیات و خدمات'' کے مسودہ پر اپنے قلم سے تحریر کیا تھا' اُس کتاب کا اجرا ٹونک میں ان کی حویلی پر ان کے انتقالِ پُر ملال کی پہلی برسی کے موقع پر ۲۰۰۹ء میں عمل

میں آیا۔ موجودہ کتاب، جو اس سلسلہ کی دوسری خوبصورت کڑی ہے، میں ٹونک کا تاریخی پس منظر شروع ہوتا ہے ۱۸۱۸ء میں امیر خاں کے ذریعہ راجستھان میں کامرانی کی پرچم کشائی سے۔ لیکن یقیناً قارئین صوبہ میں اس سے پہلے کے حالات ملت معلوم کرنے کے بھی خواہشمند ہوں گے۔ خدا کرے کہ مصنف نے گذشتہ دور کی تفصیل کے لئے ایک اور کتاب لکھنے کا ارادہ کر رکھا ہو۔ تاہم انھوں نے جس مہارت کے ساتھ انیسویں صدی کے اوائل سے شروع کر کے بیسویں صدی کے وسط میں پہونچ کر قومی جمہوری امنگوں پر مبنی آزادی کی لڑائی میں منظور صاحب کی کارکردگی کو پیوست کیا ہے وہ مصنف کا طُرّہِ امتیاز ہے۔ کتاب کے ذریعہ ہم جان گئے کہ جوانی میں مجسٹریٹ کے طور پر طعیناتی اور بعد میں ہائی کورٹ جج کی کرسی قبول کرنے کے بجائے محنت کے ذریعہ اپنی پہچان خود بنانے کی اسرار اور عزم کے ذریعہ منظور صاحب نے ملت کو کیا روح افزا پیغام دیا کہ:

جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہا ہے ترے خون جگر میں
اے پیکرِ گل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

گاہے بگاہے انداز بیان میں طرز قصہ گوئی اور پر کشش منظر کشی اختیار کر کے کتاب میں قارئین کی دلچسپی میں اضافہ کیا گیا ہے۔ مصنف سے میں درخواست کروں گا کہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی جلد کر ڈالیں تا کہ اگلی نسلوں کے غیر اردو داں طبقہ کے لئے اس کا پوری طرح سمجھنا یقینی ہو جائے۔ طارق میاں کو اور ہم سب کو بلکہ پوری ملت کو اس کتاب کی اشاعت مبارک ہو، آمین۔

بھائی میاں کے ساتھ میری خوب خوب بیٹھکیں ہوتی تھیں۔ اُن کے ساتھ میری تیس برس کی بیش قیمت ہمنشینی نے مجھے میرے اباجانؒ کی محرومی کا احساس بالکل نہیں ہونے دیا۔ علامہ اقبالؔ کی اصطلاح میں میرے لئے بھائی میاں وہ بلبل تھے جس کے نوا پیرا ترنم نے میرے تنِ نازک میں شاہین کا جگر پیدا کر دیا۔ میں اپنی طرف سے رہبر ملت منظور عالم صاحبؒ کو ذاتی خراج عقیدت علامہ کے اِن الفاظ میں دیتا ہوں:

وہ شمعِ بارگہِ خاندانِ مرتضویؐ
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو
نفس سے جس کے کھِلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مُروّت نے نکتہ داں مجھ کو

سید ظفر محمود، صدر زکوٰۃ فاونڈیشن آف انڈیا Zakatindia.org
سابق چیف کمشنر و افسر بکار خاص، وزیر اعظم کی اعلیٰ سطحی کمیٹی برائے مسلمانان ہند
بانی صدر، زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا
نئی دہلی، اکتوبر ۲۰۱۴ء

پیش لفظ

ہمارے والد جنّت مکانی مرحوم جناب منظور عالم صاحب کے نام جن کی تعلیم و تربیت کی بدولت اور دعاؤں کی فضیلت سے آج ہم ایک کامیاب اور خوش حال زندگی گزار رہے ہیں۔ جناب منظور عالم صاحب کی زندگی عوام کے لئے وقف تھی۔ عوام کی تعلیم، ترقّی اور خوش حالی ہی اُن کی زندگی کا مقصد اور کارکردگی کا مرکز رہا۔ اُنھوں نے جدید تعلیم کے مراکز، لڑکوں کے لئے دارالمطالعہ اور لڑکیوں کے لئے بناتُ المسلمین، قائم کئے اور نوجوان نسل کی بہتر تعلیم و تربیت کے لئے ماہر تعلیم جناب نصیب علی خانصاحب اور محترمہ گلشن بی صاحبہ کو بستی (یوپی) سے لایا گیا۔ ان اسکولوں کے بے شمار طالب علموں نے عملی زندگی میں بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ اُن کا قول تھا کہ تعلیم ہی ترقّی اور خوش حالی کی بنیاد ہے۔ انسان اشرف المخلوق اس لئے ہے کہ اللہ نے اُسے ذہین و فہیم بنایا ہے۔ ہر انسان خدا کی بخشی ہوئی ذہانت کی دولت کو بروئے کار لا کر اپنی محنت و مشقت سے بے شمار صلاحیتیں حاصل کر سکتا ہے۔ اس دولت میں اِضافہ کا واحد ذریعہ تعلیم ہے۔

نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹّی بہت ذرخیز ہے ساقی

جناب منظور عالم صاحب بچوں، بزرگوں اور جوانوں سبھی کے لئے مشعلِ راہ تھے۔ سب کی رہنمائی اور رہبری کے لئے ہر وقت تیّار اور ہر جگہ موجود رہتے تھے۔ قوم کے لئے وہ حقیقت میں رہبرِ ملّت تھے۔

لیکن بہن بھائیوں اور اولاد کی تعلیم و تربیت سے وہ کبھی غافل نہیں رہے۔ والد صاحب کو ہم سب بھائی میاں کہتے ہیں۔ بھائی میاں نے اپنے بھائیوں اور اولاد کی خواہشات کے مطابق ہی انھیں تعلیم دلوائی۔ چھوٹے بھائی محبوب عالم صاحب کو وکیل، سعید عالم صاحب کو فزیکل اِنسٹرکٹر، اپنے بیٹوں مسرور عالم سہیل کو طبی ڈاکٹر، مسعود عالم کو علم کیمیاء کا ڈاکٹر بنایا۔ اپنی چھوٹی بہنوں، اپنی رفیقِ حیات اور بیٹیوں کو بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے آعلیٰ تعلیم دلوائی۔ لیکن مجھ ناقص انسان کو نہ جانے کیوں وکیل بنانے کا فیصلہ کیا۔ شاید اس لئے کہ جب میں تیسری جماعت میں پڑھتا تھا تب اسکول سے آکر بھائی میاں کے پاس عدالت چلا جاتا۔ اُس وقت سیشن کورٹ گھنٹہ گھر کے پاس جس عمارت میں قائم تھی اُس میں آج بھی عدالتیں قائم ہیں۔ میں عدالت کا اِجلاس دیکھتا، مئوکلوں سے بات چیت کرتا اور وُکلا کے بار کی کینٹین کے سموسے، کچوری اور برفی کی دعوت اُڑا کر واپس آجاتا۔ بھائی میاں خوش ہوتے کہ ناشتہ کے بہانہ ہی سہی برخوردار عدالت میں دلچسپی تو رکھتے ہیں۔ اسی درمیان گرمیوں کی ایک دوپہر جب والد صاحب عدالت سے آکر آرام فرما رہے تھے تب میں نے ایک مئوکل سے ان کو جگا کر اُٹھانے اور ملوانے کے پانچ روپئے محنتانہ کے طور پر وصول کر لئے تھے۔

بھائی میاں مجھے وکیل بنانا چاہتے تھے۔ میں نے بی اے اور ایل ایل بی کی تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کی۔ کھیل کود میں بچپن سے ہی دلچسپی تھی، علی گڑھ میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ میرے اِسپورٹس میں بڑھتے رجحان کے باعث بھائی میاں کچھ فکرمند رہتے، لیکن جب میں نے بی اے فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا تو وہ مطمئن ہو گئے۔ میں یونیورسٹی میں باسکٹ بال کا کپتین رہا اور یونی ورسٹی کے اِسپورٹس کا سب سے بڑا اعزاز 'کلر' یعنی وہ

بلیزر (کوٹ) جو یونیورسٹی کے پرچم کے رنگوں کا ہوتا ہے حاصل کیا۔تب میرے دوست مجھے کپتان کہہ کر ہی بلانے لگے۔والدین کی دعاؤں سے مجھے عملی زندگی میں پولس کی کپتانی نصیب ہوئی۔ مجھے پہلی بار پولس وردی میں دیکھ کر میرے عزیز مرحوم دوست جاوید اقبال نے، جو فی البدیہہ برجستہ اشعار کہا کرتے تھے، اپنے جذبات کا یوں اِظہار کیا تھا :

والدہ ، والد کی دعاؤں کی تاثیر تو دیکھ
کہکشاں آج اُتر آئی ہے تیرے شانوں پر

ہم سب بھائیوں نے پانچویں جماعت تک تعلیم دارالمطالعہ میں اور بہنوں نے دسویں جماعت تک تعلیم بنات المسلمین میں حاصل کی۔مسعود بھائی اور میں نے چھٹی سے آٹھویں جماعت کی تعلیم کو ہنہ مڈل اسکول میں حاصل کی۔ یہ اسکول ہمارے گھر کے نزدیک تھا اور اس کا راستہ گھر کے پیچھے واقع تالاب کے پاس سے ہوکر جاتا تھا۔اُس تالاب پر دھوبی کپڑے دھوتے تھے اور باربرداری کرنے والے اُن کے گدھے تالاب کے کنارے چرتے تھے۔ہم اُن گدھوں کو خاموشی سے ہانک کر اپنے گھر لے آتے اور اُن کی پیٹھ پر تکیہ باندھ کر باہر صحن میں گھڑسواری کا لطف اُٹھاتے۔تالاب میں تیرنا اور غلیل سے نشانہ بازی محبوب مشغلہ تھا جو بعد میں عملی زندگی میں مفید اور سودمند رہے۔

بھائی میاں نے اپنے بہن بھائیوں اور اولاد کی تعلیم کا انتظام نہایت منظّم طریقے سے کیا تھا۔تعلیم کی ابتداء قرآن وحدیث سے تین سال کی عمر میں گھر پر مولوی صاحب کے ذریعہ ہوتی۔اس تقریب کو 'بسم اللہ' کہتے ہیں۔ایک سال میں ہی قرآن شریف کو روانی سے پڑھنے لگتے اور ناظرہ خواں ہوجاتے۔ پانچ چھ سال کی عمر میں اسے پورا پڑھ کر ختم کرلیا جاتا تھا۔اس

تقریب کو 'نشرح' کہتے ہیں۔یعنی اللہ نے سینہ کو علم سے کشادہ کر دیا۔اسی عمر میں اسکول میں داخلہ ہو جاتا تھا۔لیکن مولوی صاحب کے ذریعہ تعلیم بدستور پانچویں جماعت تک جاری رہتی۔چھٹی جماعت سے دو استاد گھر پر پڑھانے آتے۔ایک صرف انگریزی پڑھاتے اور دوسرے باقی سبھی مضامین۔یہ سلسلہ دسویں جماعت تک جاری رہتا تھا۔

لیکن تعلیم کے اس نظم ونسق کی کامیابی کی بنیاد تو ہماری امّی کے ذریعہ باریک بینی سے کی گئی نگرانی اور نگہداشت تھی۔ہم جہاں بیٹھ کر پڑھتے تھے اس کے اردگرد اُن کی گشت جاری رہتی۔کبھی کمرے کی کھڑکی سے کان لگا کر سنتیں کبھی دروازہ کی جھری سے آنکھ لگا کر اندر کے منظر کا جائزہ لیتیں۔کھیل گھنٹی یعنی اسکول میں وقفہ کے دوران ہم اکثر اسکول چھوڑ کر آجاتے اور تالاب کنارے کھیلتے رہتے۔اس وقت امّی کی گشت گھر کی چھت پر رہتی۔ہمیں دیکھتے ہی وہ کسی کو بھیج کر پکڑوا کر دوبارہ اسکول بھیج دیتیں۔سردی ہو' گرمی ہو یا بارش ہماری نگرانی اور نگہداشت میں امّی کبھی کوئی کوتاہی نہیں کرتی تھیں۔

والدین کی تعلیم وتربیت کے باعث ہی میں آر پی ایس کے لئے منتخب ہوا۔مختلف قوانین اور ضوابط پر بھائی میاں کی درس وتدریس اور بچپن کے مشغلوں نے پولس اکادمی کی تربیت کو سہل بنا دیا۔اکادمی کے تربیتی پریڈ گراؤنڈ کے پاس ہی ایک مندر تھا۔الصادق پریڈ گراؤنڈ میں داخل ہونے سے پہلے میرے ہندو ساتھی مندر کے سامنے چند لمحہ رک کر ہاتھ جوڑ کر عبادت کرتے تھے' اسی وقت نزدیک کسی مسجد سے فجر کی اذان بھی سنائی دیتی تھی۔پریڈ کے معائنہ کے دوران ہمیں کافی دیر تک خاموش وساکت' التفات کی حالت میں کھڑا رہنا ہوتا تھا۔اُس وقت میں بھی پریڈ گراؤنڈ پر کھڑے کھڑے ہی فجر کی نماز ادا کر لیتا تھا' بڑا سکون ملتا'

یوں لگتا جیسے حالتِ التفات میں پوری پلٹن نماز کی نیت باندھے کھڑی ہے۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

دورانِ تربیت بہترین کارکردگی کے مظاہرہ کے لئے وزیرِاعلیٰ راجستھان نے ۱۹۸۸ء میں مجھے شمشیر سے لیس کرتے ہوئے 'سورڈ آف آنر' کے اعزاز سے اور اس کے بیس سال بعد یعنی ۲۰۰۸ء میں بے داغ، قابلِ تعریف اور اعلیٰ خدمات کے لئے صدرِ جمہوریہ نے پولس میڈل کے اعزاز سے سرفراز کیا۔

۱۹۴۲ء میں بھائی میاں نے ٹونک میں وکالت شروع کی۔ اُس دور میں ٹونک میں زیادہ تر مکان کچّے کویلو پوش ہوتے تھے۔ جب مکان ہی پختہ نہ تھے تو گھر کے آنگن کی کیا بساط' وہ بھی کچّے ہی ہوتے تھے۔ لیکن اُمراء کی حویلیوں میں بھی آنگن کچّے ہی رکھے جاتے تھے اور آنگن میں نیم کے درخت لگائے جاتے تھے۔ اس کی وجہ شدید گرمی سے راحت حاصل کرنا تھا۔ لیکن بارش میں کچّا آنگن تکلیف دہ ہوتا تھا۔ بارش کے موسم میں ایک بار بھائی میاں کے والد نے جنھیں سب دادا بھائی کہتے تھے' ہماری دادی سے کہا کہ خدا کرے منظور کو ایسا گھر ملے جس کا آنگن پختہ ہو' بارش ہو اور سارا آنگن دھل کر صاف شفّاف ہو جائے۔ بعد ازاں بھائی میاں نے وہ حویلی خریدی جو ہمارا موجودہ مکان ہے۔ اس حویلی کا آنگن بھی کچّا ہی تھا اور اس میں بھی بہت سے چھوٹے بڑے درخت لگے ہوئے تھے جو شدید گرمی سے نجات پانے کے لئے ہی رکھے گئے تھے۔ لیکن بھائی میاں نے آرام و سکون کی پرواہ نہ کی اور اپنے مرحوم والد کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس حویلی کے پورے آنگن کے فرش کو پختہ کروا دیا۔

حویلی میں انھوں نے ایک خوبصورت باغ لگوایا جس میں سفری یعنی امرود، ارنڈ ککڑی یعنی پپیتا، انجیر، فالصہ، انار، انگور، نارنگی اور سنترہ کے بے شمار درخت تھے۔ ہمارے آباو اجداد کا تعلق الہٰ باد سے تھا اس لئے امرود کے پیڑ الہٰ باد سے ہی منگوائے گئے تھے تاکہ وطن کی مٹھاس قائم رہے اور اس کی خوشبو سے حویلی مہکتی رہے۔ وہ باغ ہمارے لئے کسی جنّت سے کم نہ تھا۔ ہمارے صبح و شام اسی باغ میں گزرتے تھے۔ پھل پوری طرح پکتے بھی نہ تھے کہ ہم درختوں کی شاخوں پر چڑھ چڑھ کر اُنھیں کھانا شروع کر دیتے۔ ہمارا ایک گروپ تھا جس میں مسعود بھائی، پھوپی زاد بھائی نجیب، ماموں اقبال اور میرے عزیز دوست خالد عبیدی اور وقار شامل تھے۔ اُس وقت ہماری شرارتیں عروج پر تھیں۔ احسان بھائی ایک بڑے کاشت کار تھے لیکن تھے بڑے سخت مزاج۔ ان پر کئی فوجداری مقدمے چل رہے تھے، ہمارے باغ کے باغبان بھی وہی تھے۔ کچّے پھل توڑنے پر قینچی سے پٹائی کرتے تھے۔ کسی جاسوس کی طرح ہر وقت ہماری ٹوہ میں رہتے۔ لیکن ہم لوگ بھی انھیں چکما دے کر کوئی نہ کوئی کچّا پکّا پھل توڑ ہی لاتے تھے۔ میری چھوٹی بہنوں کا بھی ایک الگ گروپ تھا۔ جب احسان بھائی ہمارے تعاقب میں ہوتے تو وہ موقعہ کا فائدہ اُٹھانے سے نہیں چوکتی تھیں۔

سالانہ اِمتحانات کے بعد مئی جون میں اسکول کی چُھٹیاں ہو جاتیں اور ہم سب شرارتوں کے لئے پوری طرح آزاد ہوتے۔ احسان بھائی بھی وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اپنی کھیتی باڑی کی نگہداشت کے بہانہ باغبانی کے فرائض سے سبکدوش ہو کر اپنے گاؤں چلے جاتے اور ہماری تو جیسے عید ہو جاتی۔ ایک بار گرمیوں کی چھٹیوں میں سہیل بھائی نے باغبانی کا ذمہ سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔ ہم سب کو ساتھ لے کر پورے باغ کا معائنہ کیا اور ہمارے

ذریعہ ہی پیڑوں پر نشانات ڈلوائے اور اُن پر لگے ہوئے کچّے پکّے پھلوں کا شمار کروایا گیا۔ حکومت کی مردم شماری میں بھی اتنی محنت نہیں ہوتی جتنی پیڑوں اور پھلوں کی گنتی کرنے میں ہم لوگوں کو کرنی پڑی۔ بڑی مشکل سے خدا خدا کر کے یہ کام مکمل ہوا۔ باغ میں داخلہ اور اُس کی صفائی سے لے کر پیڑوں میں پانی دینے اور پرندوں کو اُڑانے تک مختلف کاموں کو ہم لوگوں میں بانٹا گیا' اُس کے دن اور اوقات مقرر کئے گئے' جوابدہی اور ذمّہ داری قائم کی گئی۔ سخت قاعدے قانون وضع کئے گئے۔ بغیر اِجازت پھل توڑنے کی پہلی غلطی کی سزاء مٹھی بھر نیم کی پتّیاں چبا کر کھانی تھیں۔ قاعدے قانون کے نافذ ہونے کے کچھ ہی دیر بعد مسعود بھائی نے ایک کچّا امرود توڑ کر کھالیا۔ چوری پکڑی گئی' شکایت ہوئی' سب کو جمع کیا گیا' مسعود بھائی کو مٹھی بھر نیم کی پتّیاں کھانے کو دی گئیں جسے اُنھوں نے اِطمینان سے چبا چبا کر نگل لیا۔ سہیل بھائی نے کچھ دیر سوچا اور پھر باغبان کے عہدہ سے اِستعفیٰ کا اعلان کر دیا۔ وہ باغ ہمارے کھیل کود، ہماری آنکھ مچولی کے لئے ایک بازیچہءاطفال تھا۔

آتا ہے یاد مجھکو گزرا ہوا زمانہ
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا
وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت
آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانہ

بھائی میاں کو انگریزی کا اخبار اسٹیٹس مین' اردو کے دعوت' الجمیعت' رسالہ معارف بہت پسند تھے۔ گھر پر ہر عمر کے لئے کچھ رسالے پابندی سے آیا کرتے تھے۔ نونہالوں کے لئے نور' نوعمر کے لئے کھلونا' لڑکیوں کے لئے بانو اور باقی کے لئے خاتونِ مشرق' شبستاں' ھما'

بیسویں صدی اور پاکیزہ آنچل وغیرہ۔ انھیں فلمی رسالوں اور تاش کے پتوں سے بے حد نفرت تھی۔ ہاتھ لگتے ہی پھاڑ کر نذرِ آتش کر دیتے تھے۔

پہلے ٹونک کے قرب وجوار میں آمدورفت کے ذرائع بہت محدود تھے۔ مئوکل پیشیوں پر آتے تو کئی دن تک گھر پر رہا کرتے تھے۔ اُن کے لئے لحاف گدّوں کا الگ اہتمام تھا۔ وہ باٹیاں سینک کر ہری، لال مرچ کی چٹنی کے ساتھ کھاتے جو بہت لزیز ہوتی تھیں اور ہم سب بہت شوق سے کھاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی مئوکل سے ہمیں تاش کی گڈی مل گئی۔ بھائی میاں نے دیکھا تو ہم سے لے کر نذرِ آتش کر دی۔ اگلے ہی دن انھوں نے ہمارے ہاتھ پر تاش کی گڈی لا کر رکھ دی۔ سبھی حیرت زدہ تھے۔ کھول کر دیکھا تو وہ تعلیمی تاش تھے۔

ٹونک میں ریڈیو کی نشریات شروع ہوئیں' اُس وقت ریڈیو ایک شان وشوکت کا سامان سمجھا جاتا تھا کیونکہ اُسے خریدنے کے لئے حکومت سے باقاعدہ اجازت نامہ یعنی لائسینس لینا ہوتا تھا۔ تب بھائی میاں نے خبریں سننے کے لئے مرفی کمپنی کا ریڈیو خریدا۔ کمزور ریڈیو سگنل کی وجہ سے چھت پر ایک لمبے بانس پر ایریل نسب کرنا پڑتا تھا۔ پتنگ بازی کی رُت میں اکثر کوئی اُس بانس کو پتنگ لوٹنے کے لئے استعمال کر لیتا اور ریڈیو کی نشریات گڑبڑا جاتیں۔ ریڈیو کے بعد ٹرانسسٹر اور پھر ٹیلی ویژن آیا' لیکن بھائی میاں رات آٹھ بجے بی بی سی لندن پر خبریں تب سے اپنی زندگی کے آخری ایّام تک بلاناغہ سنتے رہے۔ اُس زمانے میں ہر اتوار کی دوپہر ریڈیو پر کسی فلم کی کہانی اداکاروں کے مکالمات کے ساتھ نشر کی جاتی تھی' جسے ساؤنڈ ٹریک کہتے تھے۔ بھائی میاں سے چھپ کر بڑی خاموشی کے ساتھ ہمارے چچا' پھوپی' خالہ اور بڑے بھائی بہن اُس ریڈیو کے کان لگا کر ساؤنڈ ٹریک سنا کرتے تھے۔

جب ٹیلی ویژن کی نشریات شروع ہوئیں تو ہر اتوار کی شام اُس پر فلم دکھائی جاتی، تب گھر کے باہر محلّہ کے سیکڑوں عورتیں اور بچّے جمع ہو جاتے۔ بھائی میاں کو فلم سے سخت نفرت تھی، لیکن وہ محلّہ کی عورتوں بچّوں کو ٹی وی دکھانے گھر کے اندر لے آتے تھے۔

بھائی میاں کو ہم نے ہمیشہ توانا اور تندرست دیکھا۔ انھیں ڈاکٹری دواؤں اور پرہیزی کھانے سے ہی پرہیز تھا، وہ پرہیز پر فاقہ کو ترجیح دیتے تھے۔ یعنی روزہ کی اِفادیت کو بہت اہم سمجھتے تھے۔ مختلف قسم کی معجون، جوارش اور خمیرے اُن کی الماری کی زینت تھے۔ جب میں پانچ سات سال کا تھا تو ایک دن اُن جوارشات پر طبع آزمائی کی اور مٹھائی کی طرح جی بھر کر کھایا، نتیجاً سخت بیمار ہوا۔ اس واقعہ کی سبق آموز کہانی اپنی پھوپی آپا بی کی مدد سے 'خمیرہ' کے عنوان سے لکھی کہ بغیر اجازت ادویات استعمال نہیں کرنی چاہئے۔ کہانی رسالہ نور میں شائع ہوئی اور مجھے انعام بھی ملا۔ عمر کے اسی حصّہ میں مجھے ایک بات کی ذہنی اُلجھن تھی کہ میرے بڑے بھائی صاحب سہیل بھائی کے نام پر بناس ندی کے پاس ایک گاؤں سہیلہ ہے اور مسعود بھائی کے نام پر ایک دال یعنی مسور کی دال ہے۔ لیکن میرے نام پر کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے اس اُلجھن کا ذکر والد صاحب سے کیا تو وہ مسکرائے اور میرے سامنے ایک بڑی کتاب جو ایٹلس تھا کھولی۔ مجھے اسپین کا نقشہ دکھایا اور جزیرۂ جبرالٹر پر اُنگلی رکھ کر بتایا کہ اس جزیرہ کا اصل نام جبل الطارق ہے۔ اُس وقت مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ میرے نام پر ایک جزیرہ ہے۔ والد صاحب نے پھر مجھے اسپین اور طارق بن زیاد کے پورے واقعات سنائے۔

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے

پولس فورس میں آنے کے بعد ایک دن یہ قصہ میں نے اپنے عزیز مرحوم دوست جناب جاوید اقبال کو سنایا۔ مرحوم نے وہاں ایک کاغذ پر جو پولس کی کیس ڈائری تھی، مندرجہ اشعار لکھ دیئے، پولس کیس ڈائری کا وہ کاغذ آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

نام طارق جو تیرا رکھا ہے تو کچھ سوچ کہ رکھا ہوگا
تو ہو معروف زمانے میں یہ سوچ کہ رکھا ہوگا
اپنے اس نام کی تاثیر دکھانی ہے تجھے
کشتیاں اغیار کے ساحل پہ جلانی ہے تجھے

۲۲ راکتوبر ۲۰۰۹ء کو بھائی میاں کی پہلی برسی کے موقعہ پر اُن کی زندگی، خدمات اور خاندانی حالات پر میری ہمشیرہ ڈاکٹر ناظرہ محمود کی تصنیف کردہ کتاب 'منظور عالم (حیات و خدمات)' کا اِجراء ٹونک میں ہوا تھا۔ میری یہ تحریر بھی اُسی سلسلہ کی کڑی اور اُسی کے ایک حصہ کی تفصیل و تفسیر ہے۔ اِن کتابوں کا مقصد محض والد صاحب کی زندگی کے حالات سے روشناس کرانا نہیں ہے۔ دراصل ان کا مقصد تو قوم اور عوام خصوصاً نئی نوجوان نسل کو یہ سمجھانا ہے کہ وسائل اور ذرائع کی قِلّت اور تنگی کے باوجود، بیوہ والدہ اور کم عمر بہنوں بھائیوں کی ذمہ داری کے بھاری بوجھ کے ساتھ صرف اللہ کے بھروسہ، اُس کی بخشی ہوئی ذہانت کی بنیاد پر اپنی محنت و مشقّت سے حاصل کی گئی تعلیم، اپنی قابلیت، صلاحیت اور خود اعتمادی کے بل بوتے ایک عام انسان نے ۱۹۴۲ء سے ۲۰۰۸ء تک لگاتار ۶۵ سال کے لمبے عرصہ میں عوام اور قوم کی بے لوث خدمت، رہبری اور نمائندگی کس طرح کی۔ اُس انسان نے اپنے مقاصد کے راستوں میں کسی محرومی، کسی محکومی، کسی ناانصافی اور کسی تفریق کو کبھی رکاوٹ بننے نہیں دیا۔

مایوسی اور نا اُمیدی اُن سے کوسوں دور تھی۔ یہ الفاظ تو اُن کی زندگی کی لُغت میں تھے ہی نہیں۔

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

ہندوستان میں آزادی اور جمہوریت کی جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی ریاستوں اور رجواڑوں کا زوال بھی شروع ہو گیا تھا۔ انگریز حکومت کے نظام میں ریاست اور رجواڑے محض اُن کارِندوں کے مانند تھے جو حکومت کے دباؤ میں اپنے ہی ملک کی دولت سمیٹ کر اِنگلستان کے آقاؤں کے خزانے بھر رہے تھے۔ ریاست ٹونک میں آزادی اور جمہوریت کی جنگ کا آغاز دو نوجوان وکیلوں جناب منظور عالم صاحب اور جناب حبیب الدین خانصاحب کے ذریعہ ہوا' جب انھوں نے ٹونک کی غریب اور مُفلس عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی آواز بلند کی۔ اور تب شروع ہوا انگریز حکومت کے نظام کے ماتحت ریاست ٹونک کے نواب اور اُس کے عہدیداروں کے ساتھ اُن کا تصادُم اور ٹکراؤ۔ درحقیقت یہ تصادُم یہ ٹکراؤ انگریز حکومت کے نظام کے ساتھ ہی تھا۔ اس طرح ٹونک میں جمہوریت نے دستک دی۔

رہبرِ ملّت کی زندگی پر جو کچھ درج کر رہا ہوں وہ اُن قِصّوں اور واقعات پر مبنی ہے جو خود اُنھوں نے ہمیں سنائے' یا ہم نے اپنی دادی محترمہ محمودہ بی' والدہ محترمہ بدرانساں ء' پھوپی محترمہ اُمِ سلمہٰ' چچا صاحبان جناب محبوب عالم اور جناب سعید عالم سے سنے تھے۔ بے غرض مہم سے بھرپور ان دلچسپ واقعات کو میں نے بھی بھائی میاں سے گاہے بہ گاہے اِسرار کر کے بار بار سنا تھا۔ اس کے علاوہ برٹش لائبریری لندن سے ایمن عالم ناذکی کے ذریعہ فراہم کئے گئے دستاویزات ہیں۔

میری ترقی آئی پی ایس میں ہونے پر میں پولس سپرنٹینڈینٹ بوندی کے عہدے پر تیعنات ہوا۔اس سے قبل میں بوندی بھائی میاں کے ساتھ ایک قتل کے مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں آیا تھا۔بوندی میں آج بھی اُن کے بے شمار مداح ہیں۔تعلیم کی وجہ سے بچے اور اہلیہ جے پور ہی رہے۔ایک لمبے عرصے سے والد صاحب پر کچھ لکھنے کا ذہن میں تھا۔بوندی کی تنہائیوں میں یادوں کے دریچے خود بخود کھلنے لگے۔حافظہ میں محفوظ واقعات کو ذہن کے ایک گوشہ میں جمع کر آراستہ کرنے لگا۔خوش قسمتی سے بوندی سے تبادلہ ہونے پر جے پور آ گیا۔اُردو میں کمپیوٹر ٹائپ کرنا تھوڑا بہت سیکھ گیا تھا بس جو کچھ یاد آتا گیا خود ہی ٹائپ کرتا چلا گیا۔اور صرف ایک ہفتہ میں ہی حافظہ میں محفوظ اپنی یاداشت کا اثاثہ کمپیوٹر پر منتقل کر دیا۔ جملہ اور املہ کی بہت سی غلطیوں کی اصلاح کرنے' واقعات کو ترتیب دینے' مسودہ کو سجانے سنوارنے اور یاداشت کے اثاثہ کی نوک پلک درست کرنے میں ضرور کچھ وقت لگا۔

بھائی میاں کی عظیم شخصیت اور اُن کی مقدس و متبرک تحریک کی صریح و مثبت عکاسی کے لئے اِس کتاب میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے ترانہ کے چند اشعار کے علاوہ تمام اشعار علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے اِستعمال کئے گئے ہیں۔

آج بھائی میاں کی یومِ پیدائش پر میں اِس کتاب کو مکمل کر رہا ہوں۔

محمود عالم طارق ۔آئی پی ایس

سپرنٹینڈنٹ آف پولس' جے پور (راجستھان)

۲۳/ مارچ ۲۰۱۴ء

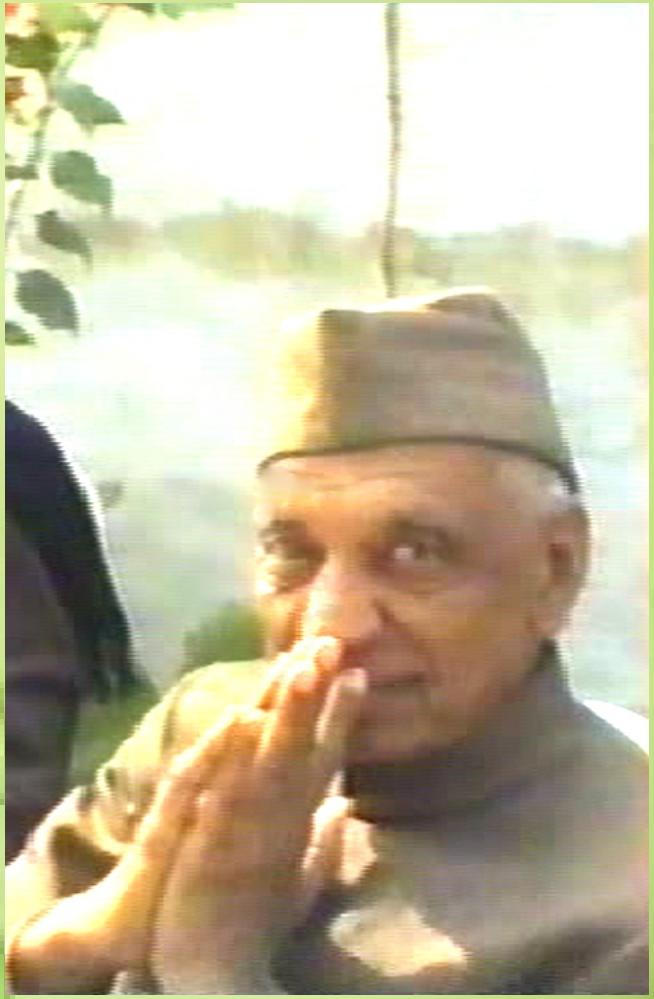

مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے

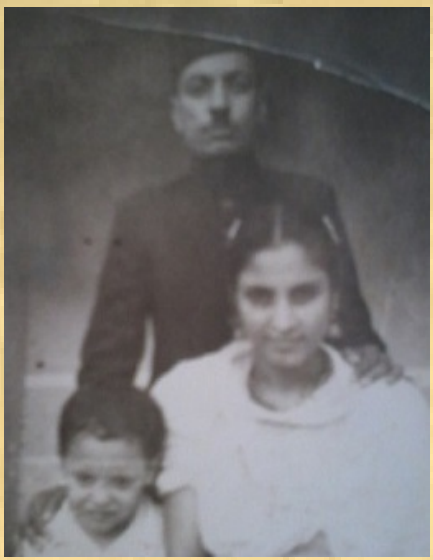

بھائی میاں امّی کے ساتھ سہیل بھائی

بھائی میاں، محبوب چچا، امّی، بڑی پھوپی آپا بی، دادی صاحبہ بی، سعید چچا، زہرہ پھوپھی

ناظرہ باجی، عزرا باجی، مسعود بھائی، بھائی میاں گود میں غزالہ، امّی

طارق، اقبال ماموں اور اُمامہ، نگار

بڑی پھوپی آپا بی، امّی، زہرہ پھوپی اور چھوٹی پھوپی

بھائی میاں اپنے نواسہ کاشف، فراز، سعد، پوتی ثناء اور پوتہ یاسر
کو جھولا جھلاتے ہوئے۔ معاون مسعود بھائی اور وقار

سہیل بھائی، مرحوم ظفر بھائی، طارق، مسعود بھائی، اقبال ماموں، خالد عبیدی اور نجیب

۱۹۸۴ء ٹونک کی حویلی کے آنگن میں امّی اور بھائی میاں، نانی، آپا بی اور
اپنے بیٹے، بیٹیوں، بہنوں، دامادوں، بھتیجوں، نواسوں، اور پوتہ پوتیوں کے ساتھ

۱۹۹۴ء گنگانگر بھائی میاں اور امّی کے ساتھ ندا ء

ٹونک کی ایک تقریب میں

مسقط- سہیل بھائی کے مکان پر بھائی میاں اور امّی

ٹونک کی حویلی پر بھائی میاں کے ذریعہ منعقد آخری تقریب بروج کی روزہ کشائی

ٹونک کی حویلی۔عید کی نماز کے بعد ثمر، طارق، ظفر بھائی، بھائی میاں اور فہد

نصیحت و ہدایت۔ نکاح سے قبل ایمن عالم بھائی میاں کے ساتھ

بھائی میاں، قمر بھائی، طارق، سمینہ، نگار، اُمامہ، سارہ، دیبہ، نبیل، ثمر، تابش میاں

۱۹۸۸ء
سورڈ آف آنر
کی سرفرازی کے
موقہ پر
شمشیر سے لیس
کرتے ہوئے
وزیرِ اعلیٰ راجستھان
جناب شیو چرن ماتھر

۲۰۰۸ء
یومِ آزادی کے موقہ پر
صدر جمہوریہ ہند
شریمتی پرتبھا پاٹل
کے ذریعہ دئے گئے
پولس میڈل کے اعزاز سے
سرفراز کرتیں
وزیرِ اعلیٰ راجستھان
شریمتی وسندھرا راجے

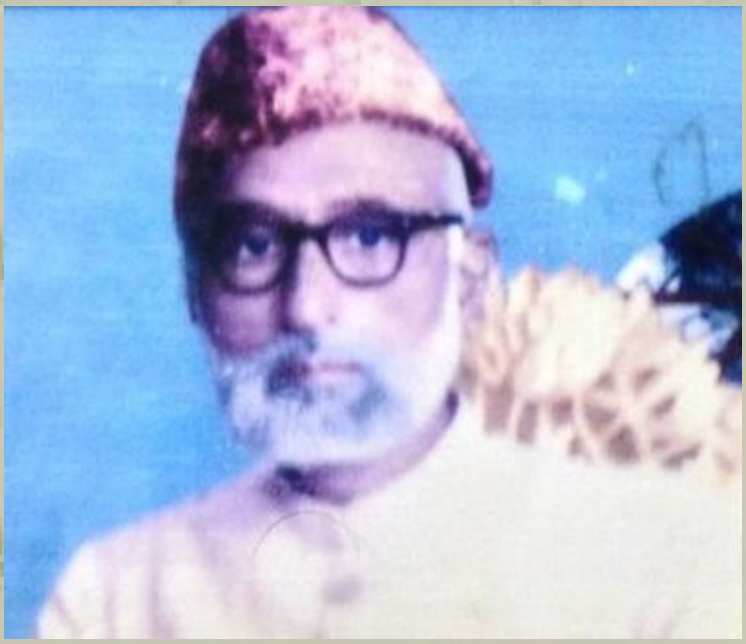

رہنماءِ ملّت مرحوم ومغفور جناب حبیب الدین خان صاحب

نڈر اور بے باک مرحوم ومغفور جناب سید مظہر علی صاحب

بھائی میاں کے ساتھ مرحوم ومغفور جناب ایوب خانصاحب

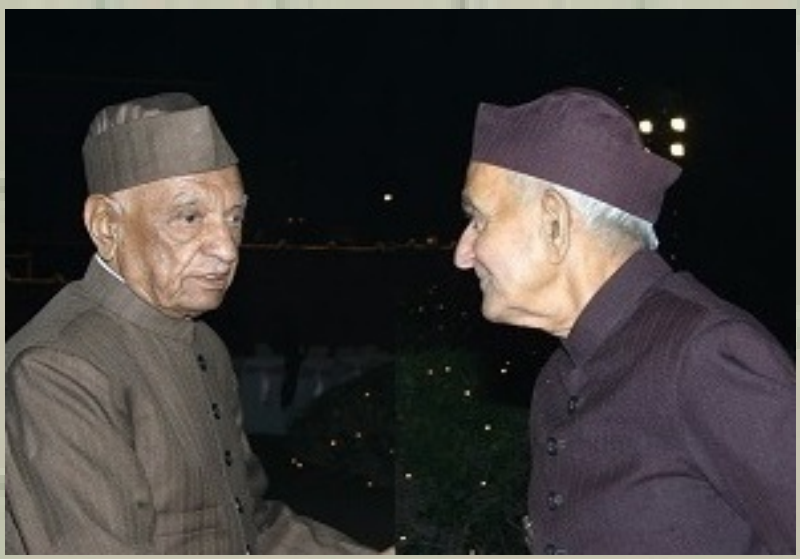

بھائی میاں کے ساتھ جناب ڈاکٹر ہاشم قدوائی صاحب

تاریخی پس منظر

امیر خاں نے اپنے لشکر کے ساتھ راجستھان میں فتح اور کامرانی کے جو پرچم بلند کئے اِس میں اُن کی دلیری اور حوصلہ کے ساتھ ایک نیک بزرگ صوفی کی شجاعت اور اُن کی دعائیں بھی شامل تھیں۔ یہ تھے علامہ حضرت احمد شہیدؒ جو اپنے ہزاروں جاں نثاروں اور رفقاء کے ساتھ انگریز اور ظالموں کے خلاف ہر جنگ کو امیر خاں کے شانہ بشانہ جہاد مان کر لڑتے رہے۔ ۱۸۱۸ء میں ٹونک ریاست امیر خاں اور انگریزوں کے درمیان ایک سمجھوتہ کے تحت قائم ہوئی۔ امیر خاں اور انگریزوں کے درمیان ریاست کے قیام کے لئے ہورہے سمجھوتہ سے حضرت احمد شہیدؒ متفق نہیں تھے۔ وہ انگریزوں کے خلاف اپنا جہاد جاری رکھنا چاہتے تھے۔ اور انگریزوں سے سمجھوتہ امیر خاں کی مجبوری تھی۔ انگریزوں نے ریاست وحکومت کے سبز باغ اور عیش وآرام کی زندگی کے خواب دکھا کر امیر خاں کے کئی سالاروں کو اپنا ہم نوا بنالیا تھا۔ خود امیر خاں کو شک تھا کہ ان کے سالار انھیں انگریزوں کے حوالے نہ کردیں۔ ریاست کے قیام کے بعد حضرت احمد شہیدؒ ٹونک چھوڑ کر اپنے وطن رائے بریلی چلے گئے۔

کچھ عرصہ بعد اُنھیں یہ اِطلاعات ملیں کہ پنجاب اور صوبہ سرحد کے حکمراں وہاں کے عوام پر بے اِنتہا مظالم کررہے ہیں۔ انھوں نے ظالموں کے خلاف جہاد کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ پنجاب کی طرف کوچ کیا۔ مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے وہ

قرولی پہنچے۔قرولی کی راجپوت ریاست دلّی کی سلطنت کے وقت وجود میں آئی تھی۔قرولی کو توپ خانہ اور رِسالہ سلطنت نے دیا تھا۔اس رسالہ کے مہتمم رِسلدار کہلاتے تھے۔ جناب منظور عالم صاحب کے خسر جناب نصیر محمد خاں کے آباواجداد قرولی کے رِسلدار تھے۔علامہ حضرت احمد شہیدؒ نے قرولی میں ندی کنارے واقع رِسلداروں کی حویلی میں قیام کیا تھا۔اس حویلی کے ابھی بھی کچھ نشان باقی ہیں؛ جس میں کمہاروں کا خاندان جواُن کے یہاں چاکری کرتے تھے آج بھی آباد ہے۔حویلی کا باقی حصّہ ایک محلّہ میں تبدیل ہو چکا ہے۔قرولی کا ایک قصبہ ماچلپور ہے جہاں پان کی کاشت آج بھی ہوتی ہے۔ ماچلپور کے پان ٹونک میں بہت مشہور ہیں۔قرولی سے بھی بہت سے لوگ حضرت کے ساتھ راہِ خدا میں چل پڑے تھے۔قرولی سے وہ ٹونک پہنچے۔

ٹونک کے نواب امیر خاں نے اُنھیں ہر طرح کی فوجی اور دیگر اِمداد کی پیشکش کی لیکن علامہ حضرت احمد شہیدؒ نے انھیں یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ یہ راہِ خدا میں لڑی جانے والی جنگ ہے اس میں ہر شخص اپنی مرضی اور اپنے اسباب کے ساتھ ہی شریک ہو سکتا ہے۔ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے وہ پنجاب پہنچے جہاں چھوٹے بڑے کئی معرکے ہوئے کبھی فتح حاصل ہوئی تو کبھی شکست اور ۱۸۳۲ء میں ایسے ہی ایک معرکہ میں بالاکوٹ پر انھوں نے اپنے سیکڑوں جاں نثاروں اور رفقاء کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔

اُن شہیدوں میں جناب منظور عالم صاحب کے آباواجداد بھی شامل تھے۔یہ خبر جب ٹونک پہنچی تو نواب وزیرالدولہ نے ایک وفد بھیج کر ان کے بچے ہوئے جاں نثاروں کو جو بہت پرسانِ حال تھے ٹونک بلوالیا۔سیکڑوں افراد پر مشتمل یہ قافلہ جب ٹونک پہنچا تو اسے شہر کے

نزدیک جس مقام پر ٹھہرایا گیا وہ علاقہ آج بھی محلّہ قافلہ کے نام سے مشہور ہے اور قافلہ کی جامعہ مسجد کو شہر ٹونک کی سب سے ممتاز مسجد ہونے کا مرتبہ حاصل ہے۔ علامہ حضرت احمد شہیدؒ کی صحبت میں ان کے جاں نثاروں اور رفقاء نے جہاں فنِ سپاہ گری میں مہارت حاصل کی وہیں ان کی دین وعلم کی قابلیت اور درس وتدریس کی صلاحیت بھی بلند پایہ کی ہوگئیں تھیں۔ لمبے عرصہ تک پنجاب اور صوبہ سرحد میں رہنے پر ان جاں نثاروں نے وہاں کے پٹھانوں سے ازدواجی رشتے بھی استوار کئے۔

جناب منظور عالم صاحب کے آباو اجداد بھی حضرت احمد شہیدؒ کے ساتھ الہٰ باد سے ہجرت کر کے راہِ خدا میں نِکل پڑے تھے' ان میں شہید جناب عبداللہ صاحب بھی تھے جن کے والی جناب عبدالحکیم صاحب تھے۔ ان کے چار فرزندوں میں سب سے بڑے جناب محمد یحییٰ صاحب اور ان سے چھوٹے جناب محمد طٰحہ صاحب تھے۔ محمد یحییٰ صاحب کے سب سے بڑے فرزند جناب محمد یوسف صاحب کا نکاح محمد طٰحہ صاحب کی دختر محترمہ محمودہ بی سے ہوا تھا۔ انھیں کے سب سے بڑے فرزند رہبرِ ملّت جناب منظور عالم صاحب تھے۔ انھیں بچپن سے ہی علم سے محبت اور تعلیم حاصل کرنے کا جنون تھا۔ اُنھوں نے پانچویں جماعت تک ابتدائی تعلیم ریاست ٹونک کے پرگنہ نیما ہیڑہ میں حاصل کی جہاں اُن کے والد اُن دنوں مع اہل وایال قیام پذیر تھے۔ اپنے فرزند کے تعلیم حاصل کرنے کے شوق اور رجحان کو دیکھتے ہوئے اُن کے والد نے انھیں ٹونک بھیج دیا جہاں انھوں نے اپنے والد کی نانی کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کی۔

۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک چھٹی سے دسویں جماعت کی تعلیم دربار اسکول ٹونک میں

حاصل کی، جو آج بھی اُسی عمارت میں اُسی نام سے قائم ہے۔ اُس وقت عوام کے بچے فرش پر بیٹھتے اور صاحب زادگان کے لئے چند کرسیاں رکھی جاتیں، جو عُموماً خالی ہی رہتی تھیں۔ ٹونک سے میٹرک یعنی دسویں کلاس پاس کرنے کے بعد اُنھوں نے ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۰ء تک گورنمینٹ کالج اجمیر سے ایف اے اور بی اے اِمتیازی نمبروں سے پاس کیا، اس کے بعد ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۲ء تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایل ایل بی کیا۔

میٹرک پاس کرنے کے بعد ایک دن ٹونک میں وہ کسی مقام سے گزر رہے تھے جہاں ریاست کے ایس پی صاحبزادہ عبدالقادر خانصاحب اپنے مصاحبین کے ساتھ تشریف فرما تھے، جنھوں نے آواز دے کر انھیں بلوایا اور پوچھا 'میاں کون سی کلاس کا امتحان دیا ہے'۔ کہا' میٹرک امتیازی نمبروں سے پاس کیا ہے۔ تب خانصاحب اپنے مصاحبین کو مخاطب کر کے بولے 'امتحان تو ایف اے کا ہوتا ہے' اور اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان قریب ایک فٹ کا فاصلہ رکھ کر کہا 'یہ موٹی موٹی کتابیں ہوتی ہیں اور کہیں سے بھی کھول کر کہہ دیتے ہیں پڑھو'۔ اس پر مصاحبین نے حیرت و تعجب سے کہا 'اوخوہ'۔ گویا ایک موٹی کتاب کو کہیں سے کھول کر پڑھنا مصاحبین کے نزدیک بہت مشکل کام تھا۔

جناب منظور عالم صاحب اخبارات پابندی سے پڑھا کرتے تھے خصوصاً انگریزی کا اخبار۔ ملنے آنے والوں کو بھی وہ اخبار پڑھنے کے لئے دیتے اور خاص خاص خبریں خود پڑھ کر سناتے۔ جب وہ دسویں کلاس میں پڑھ رہے تھے تب ایک دن ریل میں سفر کے دوران وہ انگریزی کا اخبار نکال کر پڑھنے لگے، سامنے سیٹ پر بیٹھے صاحب نے جو پڑھے لکھے تھے مسکرا کر طنزیہ انداز میں اُن سے کہا صاحبزادے یہ اخبار انگریزی کا ہے، لیکن جب

منظور صاحب نے وہ اخبار پڑھ کر انھیں سنایا اور خبروں کے معنی بھی سمجھائے تو ان صاحب کو بڑی حیرت ہوئی اور خوش ہو کر اُن کی پیٹھ تھپ تھپائی۔

۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء : یہ ہندوستان کی جنگِ آزادی کا فیصلہ کُن دور تھا۔ اِس عرصہ میں دوسری جنگِ عظیم شروع ہوئی، جرمنی کے خلاف اِس جنگ کو حکومتِ برطانیہ کے پہلو بہ پہلو لڑنے کے لئے وائس رائے نے ہندوستان کی شمولیت کا بھی اعلان کر دیا۔ کانگریس نے اس کی پرزور مخالفت کی۔ مسلم لیگ نے علیٰحدہ ملک پاکستان کا مطالبہ شروع کر دیا۔ وائس رائے ہند نے چند سودمند مراعات کے ساتھ ایک معاہدہ کی پیشکش کی جس پر عمل آوری جنگ کے بعد کی جانی تھی۔ یہ پیشکش ماہ اگست میں کی گئی تھی اس لئے یہ 'اگست آفر' کے نام سے مشہور ہوئی۔ کانگریس نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا اور ستیہ گرہ یعنی تحریکِ مقاومت شروع کر دی۔

اسی دوران سبھاش چندر بوس انگریزوں کی قید سے فرار ہو کر برلن جا پہنچے اور آزاد ہند فوج قائم کی۔ حکومتِ برطانیہ نے سر کرپس کی صدارت میں ایک سفارت ہندوستان بھیجی۔ اِس سفارت نے جنگِ عظیم میں اِمداد اور تعاون کے عوض میں جنگ کے بعد خودمختار حکومت کی پیشکش کی جسے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے مسترد کر دیا۔ اور انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنے کے لئے جارحانہ انداز میں 'ہندوستان چھوڑو' تحریک شروع کی گئی۔ اِس پر حکومتِ برطانیہ کے وزیروں کی رہنمائی میں کیبنیٹ مشن کے نام سے معروف جو سفارت بھیجی گئی اُس نے بین المدتی یعنی عبوری حکومت اور دستور ساز مجلس کے قیام کا خاکہ تیّار کیا۔

جناب منظور عالم صاحب نے اجمیر اور علی گڑھ میں زیرِ تعلیم رہتے ہوئے اِن تمام

تحریکات کو بہت قریب سے دیکھا اور سمجھا۔ ۱۹۴۲ء میں ایل ایل بی کر کے ٹونک آنے اور وکالت شروع کرنے کے بعد بھی اُنھوں نے اِن تحریکوں کا مطالعہ جاری رکھا۔

ٹونک ریاست میں اُس وقت ہائی کورٹ ہوا کرتی تھی لیکن کوئی بھی وکیل لاگریجوئیٹ یعنی ایل ایل بی نہیں تھا۔ ٹونک کے وہ پہلے لاگریجوئیٹ وکیل تھے۔ اس وقت کے مشہور وکیلوں میں اچھن خاں صاحب بھی تھے جو بہیر میں رہا کرتے تھے' جن کا مکان اندر سے پختہ لیکن باہر سے کچا کویلو پوش تھا۔ باہر سے مکان پختہ نہ بنوانے کا سبب اچھن خاں صاحب نے انھیں یہ بتایا کہ نواب کی سواری اکثر اِدھر سے گزرتی ہے' پختہ مکان دیکھ کر وہ ناراض ہو سکتے ہیں۔

وکالت کے پیشہ میں قدم رکھے انھیں ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ مجسٹریٹ کا ایک عہدہ خالی ہو گیا۔ ٹونک کے جج صاحب نے اُنھیں بلایا اور کہا کہ وہ عرضی دے دیں تا کہ مجسٹریٹ کے عہدے پر ان کا تقرر کر دیا جائے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ وہ مجسٹریٹ نہیں بننا چاہتے وکالت کرنا چاہتے ہیں۔ جج نے پوچھا کہ کیا وکالت بہت اچھی چل رہی ہے۔ تب انھوں نے بتایا کہ ابھی تک ان کے پاس ایک بھی مقدمہ نہیں ہے۔ اس پر جج اُنھیں حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔

اُن کے ارادے بلند اور مستحکم تھے۔ انھیں اللہ کی ذات پر کامل یقیں اور خود پر اعتماد تھا۔ بہت جلد انھوں نے اپنی وکالت کا لوہا منوایا اور دنیا زمانہ میں خود کو ایک قابل' لائق' ذہین اور باصلاحیت وکیل کی حیثیت سے روشناس کرایا۔ آزادی کے کچھ عرصہ بعد ہی انھیں راجستھان ہائی کورٹ کے جج کی پیشکش کی گئی تھی جسے بھی انھوں نے مسترد کر دیا۔

ٹونک میں وکالت شروع کرنے کے بعد وہ مہینوں بغیر کسی مقدمہ کے پابندی کے ساتھ عدالت جاتے رہے اور وہاں اپنا وقت قانون کے مطالعہ میں گزارتے رہے۔ کوئی ان کی طرف توجہ بھی نہ دیتا تھا۔ لیکن کون جانتا تھا کہ آنے والے دور میں بڑے بڑے سینئر وکلا عدالت کے کمرہ میں اسی وکیل کی صرف بحث سننے کے لئے ان کے پیچھے گھنٹوں کھڑے رہیں گے۔ انھیں جو پہلا مقدمہ ملا اس کا محنتانہ محض پانچ روپیہ تھا۔ ۱۹۴۴ء میں ان کی والدہ اور چھوٹے بہن بھائی ان کے ساتھ رہنے کے لئے ٹونک آ گئے۔

۳ر مئی ۱۹۴۵ء کو ایک مقدمہ کے سلسلہ میں وہ سرونج گئے۔ سرونج، ریاست ٹونک کا پرگنہ تھا، وہاں جانا جوئے شیر کا ہی لانا تھا۔ خستہ شکستہ حال بسوں اور چھک چھک کرتی ریل گاڑی سے لے کر بیل گاڑی تک میں سفر کرنا پڑتا تھا۔ اُن کے والد اُن دنوں لٹیری میں کسٹم آفیسر تھے۔ سرونج میں اُنھیں اِطلاع ملی کہ اُن کے والد کی طبعیت ناساز ہے۔ اپنا کام بیچ میں چھوڑ کر وہ مورخہ ۷ر مئی کو لٹیری پہنچے تو انھیں یہ دل سوز اور قیامت خیز خبر ملی کہ چند لمحہ قبل اُن کے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ آخری وقت میں ان کے والد انھیں ہی یاد کر رہے تھے۔ کوئی عزیز و اقارب پاس نہ تھے۔ والدہ اور بھائی بہن بہت دور ٹونک میں تھے۔ پھر بھی بہت ہمت اور مضبوطی سے دل پر پتھر رکھ کر انھوں نے اپنے والد کی تکفین و تدفین کی۔ ٹونک واپس آ کر کسی طرح اپنی والدہ کو بیوہ ہونے اور دو چھوٹے بھائیوں اور چار چھوٹی بہنوں جن میں سب سے چھوٹی بہن جس کی عمر محض تین سال تھی کو یتیم ہونے کی خبر سنائی۔ اُس وقت تک اُن کی صرف ایک چھوٹی بہن کی شادی ہوئی تھی اور منظور صاحب خود غیر شادی شدہ تھے۔

لیکن یہ نوجواں انسان جس کی عمر اس وقت صرف ۲۶ سال تھی اور جسے عملی زندگی میں

قدم رکھے محض تین سال ہی ہوئے تھے اپنے کاندھوں پر بیوہ والدہ اور کم عمر بہن بھائیوں کی بھاری ذمہ داری کے ساتھ ٹونک کے غریب اور مفلس عوام کی فلاح و بہبود کے لئے انگریز حکومت اور اس کے نظام کے تحت ریاست ٹونک کے نواب اور اس کے عہدیداروں کے سامنے سینہ سپر ہوگیا۔ کیا خوب کہا علامہ نے:

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں

ان کے وکالت شروع کرنے کے کچھ عرصہ بعد ہی جناب حبیب الدین خاں صاحب بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایل ایل بی کر کے آ گئے۔ اب ٹونک میں دو نوجواں وکیل لاگریجوئیٹ تھے۔ عوام کی فلاح و بہبود، تعلیم و تربیت کے لئے دونوں حضرات کی خدمات بے مثال ہیں۔ مجاز کے لکھے ہوئے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے ترانہ کے یہ اشعار دونوں حضرات کے لئے نہایت موضوع ہیں۔

جو ابر یہاں سے اُٹھے گا وہ سارے جہاں پر برسے گا
خود اپنے چمن پر برسے گا غیروں کے چمن پر برسے گا
ہر شہر طرب پر گرجے گا ہر قصرِ طرب پر کڑکے گا
یہ ابر ہمیشہ برسا ہے یہ ابر ہمیشہ برسے گا

رِیاسَت بنام جمہُوریت

۱۹۴۵ء : برسات کا موسم تھا۔ٹونک میں کئی روز سے رک رک کر موسلا دھار بارش ہورہی تھی۔لیکن اُس روز تو قہر برپا تھا۔بارش رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔سارا دن اور ساری رات بارش ہوتی رہی' لگتا تھا گویا آسمان میں سوراخ ہوگیا ہو۔اگلے دن صبح بارش کا دور تھما۔کچھ دیر کے لئے دھوپ نکل آئی۔ہر طرف جل تھل تھا۔شہر کی گلیوں اور بستیوں میں گھٹنوں گھٹنوں پانی تھا۔اتنے پانی کی نکاسی کا کوئی اِنتظام نہ تھا۔

منظور عالم صاحب اور حبیب الدین خانصاحب شہر کے حالات دیکھنے کے لئے گھر سے نکلے۔پائجامہ کے پائنچوں کو موڑ کر گھٹنوں کے اوپر چڑھایا، جوتے ہاتھ میں لئے اور پرانی ٹونک سے گھنٹا گھر' پانچ بتّی' قافلہ بازار' کچہری ہوتے ہوئے نوشہ میاں کے پل تک پہنچے۔ قافلہ بازار کے ہوٹلوں اور بساتیوں کی دکانوں کے تخت عام راستوں میں کشتیوں کے مانند تیر رہے تھے۔پورے شہر میں سنّاٹا تھا۔مزید حالات جاننے کے لئے وہ عام راستے سے ہٹ کر بستیوں کی طرف گئے۔

محلّوں اور بستیوں کے حالات بہت خراب تھے۔تیز رفتار بہتے ہوئے بارش کے پانی نے کچے مکانوں کی دیواروں کو اس طرح کاٹا تھا جیسے تیز دھار چاقو سے خربوزہ کی قاشیں کاٹی گئی ہوں۔ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔سینکڑوں مکان زمین بوس ہوکر ملبہ کا ڈھیر بن چکے تھے۔بچے ہوئے مکان بھی گرنے کے لئے خالی جگہ تلاش رہے تھے' بے پناہ شور تھا چیخم پکار

مچی تھی۔عورتیں اپنے نوزائد بچوں کو چھاتی سے چپکائے گری ہوئی دیواروں کے اوپر ٹکے ہوئے ٹوٹے پھوٹے کویلو پوش چھپروں پر بیٹھی حسرت بھری نگاہوں سے اپنے اثاثہ کو گندے پانی اور کیچڑ میں پڑا دیکھ رہی تھیں۔کیا بزرگ اور کیا جوان ہر مرد اور عورت کیچڑ کے پانی میں اپنا سامان ڈھونڈ رہا تھا۔کسی کو کوئی کپڑا یا برتن ہاتھ لگ جاتا تو گندے پانی سے ہی دھو کر کسی اُونچے مقام پر رکھ دیتا۔جس کے گھر کے نزدیک کوئی درخت تھا اُس نے اس پر ہی رضائی گودڑے اور پلنگ لٹکا دئے تھے۔درختوں کی نچلی شاخیں تقریباً ڈھک چکی تھیں۔کچھ لڑکے ایسے درختوں پر اس لئے چڑھے بیٹھے تھے کہ ان کو جب کوئی سامان پکڑاتا تو وہ اُس کو کسی اونچی شاخ پر لٹکا دیتے۔

اس بربادی سے بے نیاز کچھ ننگ دھڑنگ کم عمر بچے ایسے بھی تھے جو اس بارش کو قدرت کی طرف سے ملا ہوا ایک نیا کھیل تماشہ سمجھ کر اس کا پورا لطف اٹھا رہے تھے۔وہ کسی اونچے ملبہ کے ڈھیر یا پیڑ پر چڑھ کر پانی میں چھلانگیں لگا لگا کر نہا رہے تھے۔بچوں کے اس کھیل سے لوگوں کو سامان تلاش کرنے میں مزید پریشانی ہو رہی تھی۔ایسے میں کوئی بچہ کسی بڑے کے ہاتھ لگ جاتا تو پٹے بغیر نہ رہتا۔

بستیوں کی گلیوں سے گزرتے ہوئے دونوں حضرات غریب محزون عوام کی بربادی کا یہ منظر دیکھ رہے تھے۔کبھی کوئی سامان اُن کے پیروں میں بھی اُلجھ جاتا تو وہ اسے نکال کر پاس کھڑے شخص کو تھما دیتے۔کوئی بزرگ پانی میں گر جاتا تو اسے سہارا دے کر کسی اونچی جگہ بٹھا دیتے۔اسی کام میں شام ہوگئی' سورج غروب ہو گیا تو دونوں گھر آ کر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ٹونک کے غریب مفلس عوام کی تباہی اور بربادی دیکھ کر اُنھیں گہرا صدمہ پہنچا تھا۔

اگلے دن صبح ہی دونوں شہر کی بستیوں میں پھر نکل پڑے۔ اب بستی محلوں کے حالات اور زیادہ خراب ہو چکے تھے۔ پانی اپنا راستہ خود ڈھونڈ لیتا ہے۔ پانی کی خود بخود نکاسی کے ساتھ مکانوں کا ملبہ بہہ کر راستوں پر آ گیا تھا۔ گلیوں میں اتنا کیچڑ تھا کہ دو قدم چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ لوگ اپنے شکستہ چھپروں کو بچی ہوئی لکڑیوں اور بلّیوں کے سہارے اوپر اُٹھا کر بارش سے بچنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ دونوں سارا دن ایسے ہی لوگوں کی مدد کرتے ہوئے بستی محلّہ میں گھومتے رہے۔ اب یہ اُن کا روز کا معمول تھا۔ بلا ناغہ کسی بستی میں پہنچ جاتے اور لوگوں کی امداد کرتے۔ تباہ و برباد عوام اُنھیں پہچاننے لگے تھے کچھ نوجوان بھی اُن کا ہاتھ بٹانے لگے تھے۔

ریاست کے منصب داروں اور 'صاحبزادوں' نے اپنی حویلیوں اور آسودہ حال لوگوں نے اپنے گھروں میں تباہ و برباد غریبوں کو پناہ دی۔ اُن کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام کیا۔ حویلیوں میں تو اُن غربا کے رشتہ دار سماں گئے جو اُن حویلیوں میں نوکر تھے۔ باقی شہر میں پختہ مکانوں کو اُنگلیوں پر گنا جا سکتا تھا۔ لیکن لوگوں کی کثیر تعداد غریب و بے آسرا ہی تھی۔

باہمی امداد کے لئے دونوں نے چند نوجوانوں کی ایک جماعت بنالی تھی۔ اب امداد کا کام بھی کچھ کچھ ترتیب سے کیا جا رہا تھا۔ کس بستی کے کس گھر میں کون سی اشیاء کی اشد ضرورت ہے اس کی فہرست ہر روز تیّار کی جاتی اور مطلوبہ سامان آسودہ حال لوگوں سے مانگ کر اِکٹھا کیا جاتا یا بازار سے خریدنے کے لئے چندا کیا جاتا۔ لیکن یہ سب ناکافی تھا۔

اِنفرادی طور پر تو سبھی باحیثیت افراد 'ریاست کے عہدہ دار اور صاحب زادگان مدد کر رہے تھے' لیکن انگریز حکومت اور ریاست کی طرف سے مفلس عوام کو بارش اور بیماری سے

بچانے' اُن کو پھر سے بسانے' اُن کے مکانوں کو پختہ بنوانے یا مرمّت کرانے' اُن کے رہنے کھانے اور ذریعہ معاش کا انتظام کرنے کے لئے نہ تو کوئی کوشش کی گئی اور نہ ہی عوام کی اجتماعی امداد کی کوئی منصوبہ بندی کی گئی۔

حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ پینے کے لئے صاف پانی اور کھانے کے لئے غلّہ دستیاب نہ تھا۔ بیماریاں پھیلنے لگیں۔ ہر گھر میں کوئی نہ کوئی بیمار تھا اُن میں بچوں اور بزرگوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اب پانی اور غلّہ کے ساتھ دواؤں کی بھی ضرورت تھی۔ پیٹ کی بیماریوں اور بخار نے کمزور و لاغر انسانوں کا رہا سہا خون بھی نچوڑ لیا۔ کئی بزرگ اور بچے بھوک اور بیماری کی تاب نہ لاکر اس دنیا کو خیر باد کہہ گئے۔ کنوؤں پر بھاری بھیڑ رہتی' ایک مٹکی پانی بھی گھنٹوں بعد میسّر ہوتا۔ ریاست کے سعادت اسپتال میں جو ڈاکٹر تھے ان کا دیدار مشکل تھا۔ ڈاکٹر کے گھر تو علی الصباح کسی منصب دار کا تانگہ پہنچ جاتا اور وہ سارا دن اُن کی حویلی کی ڈیوڑھی میں بیٹھا اس کے مکینوں کے علاج کے ساتھ ساتھ تیمارداری بھی کرتا رہتا۔

منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب کو اب کئی مورچوں پر کام کرنا پڑ رہا تھا۔ اُن کے کچھ ساتھی کسی حکیم یا عطّار سے دواؤں کی پڑیاں لے آتے کچھ سرکاری دواخانہ کے کمپاؤنڈروں سے شیشیوں میں دوا بھر لاتے اور شہر میں بانٹ دیتے۔ کچھ نے سقّوں اور بھشتیوں سے مشقیں لے کر گھر گھر جا کر پانی پلایا۔ ان سب کے باوجود حالات اعتدال پر نہیں آ رہے تھے۔ یہ محسوس کیا گیا کہ چاہے جتنے جتن کر لو سرکار اور ریاست کی امداد کے بغیر حالات سدھرنے والے نہیں ہیں۔ امداد کے کاموں کو سرکار کے ذریعہ منظّم طریقے سے کرایا جانا نہایت ضروری تھا۔

اب دونوں حضرات نے عوام کی تباہی اور بربادی کے حالات اور اُن کی فلاح کے لئے ضروری اِقدامات کو عرضیوں میں لکھ لکھ کر ریاست کے عہدیداروں کی حویلیوں اور دفتروں کے چکّر لگانے شروع کئے۔ غریب مفلس عوام کے دو چار افراد بھی اُن کے ہمراہ چلے جاتے۔ ریاست کے عہدیداروں اور منصبداروں سے ملنا آسان نہ تھا۔ کئی کئی دن کے انتظار کے بعد کسی منصبدار کا دل چند لمحہ رحم سے پسیجتا تو بس اتنا کہ ملاقات ہو جاتی اور کوئی نوکر ان کے ہاتھ سے عرضی لے کر منصبدار کو پیش کر دیتا۔ جسے وہ سرسری نگاہ سے دیکھ کر آگے بڑھ جاتے۔ زبانی عرض داشت کے لئے منہ سے الفاظ نکلنے شروع ہوتے اس سے قبل ہی منصبدار نگاہ سے اوجھل ہو جاتے۔ نوکر منہ کھولے چند لمحہ ان کی طرف دیکھتا رہتا پھر وہ بھی چل دیتا۔ عرضی داخلِ دفتر ہو جاتی یا کوڑے دان کی رونق بڑھا دیتی۔ باہر آ کر جب ملاقات پر تبصرہ ہوتا تو اُن کے ہمراہ گئے افراد اور اُن کی جماعت کے ارکان بھی حیرت سے منہ کھولے انجان نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھتے رہتے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی روایتی پوشاک شیروانی ہے۔ ہر طالبِ علم کو ایک کالے رنگ کی شیروانی باضابطہ طور پر بنوانی ہوتی ہے۔ اس شیروانی کے کالر پر یونیورسٹی کا نشان ہوتا ہے جس پر عَلَّمَ الاِنسانَ مَالَم یَعلَم لکھا ہوتا ہے۔ دونوں حضرات ہمیشہ یونیورسٹی کی روایتی پوشاک میں ہی رہتے تھے۔ منصبداروں کا برتاؤ تو اُن کی امید کے عین مطابق تھا لیکن اُنھیں اپنے ساتھیوں کا طرزِ عمل پریشاں کر رہا تھا۔ اس پر غور و فکر کرنے سے چند باتیں اُن کی سمجھ میں آئیں۔ اول، اُن کا پہناوا یعنی شیروانی، سر پر ٹوپی پیروں میں موزے اور پالش کئے ہوئے جوتے۔ جبکہ اُن کے ساتھ گئے افراد کے تن پر صرف کرتا پائجامہ یا تہمد اور پیروں میں

چپلیں یا جوتے ہوتے۔ دوئم، کھڑے ہونے کا انداز یعنی سر اُٹھا ہوا اور سینہ تنا ہوا جبکہ اُن کے ساتھی رکوع اور سجدے کے بیچ جھولتے رہتے۔ سوئم، بات کرنے کا سلیقہ یعنی منصبدار کو عوام کی امداد کے اقدامات اور سرکار کے فرائض بتانا۔ جبکہ اُن کے ساتھی تو زباں سے کچھ نہ کہتے البتہ ہاتھ کے اشارے ضرور ایسے ہوتے جیسے بھیک کے لئے کٹورا ہلا رہے ہوں۔

ریاست ور جواڑوں کے عہدیداروں کو یہ تینوں باتیں سخت ناپسند تھیں۔ ایسے لوگوں کو دیکھتے ہی وہ مشتعل اور برانگیختہ ہو جاتے تھے۔ غریب مفلس عوام کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ریاست کے عہدیداروں سے اپنا حق بھی طلب کر سکتے ہیں۔ وہ تو صدیوں سے فریادی کی طرح مانگتے اور جو مل جاتا اسے خیرات سمجھ کر قبول کرتے چلے آئے تھے۔ عہدیدار بھی اُن کو گھٹنوں کے بل سر جھکائے' ہاتھ پھیلائے دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اور پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ عہدیداروں کی بالادستی قبول نہیں کی جائے' اُن کے آگے سر نہیں جھکیں اور عوام کی سوچ اور ذہنیت کو بدلا جائے۔

منظور عالم صاحب کوئی بھی کام اپنے والدین کی مرضی کے خلاف اور اُن کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے تھے۔ اُنھوں نے تباہ و برباد مفلس عوام کی امداد کے لئے ریاست ٹونک کے عہدیداروں سے مقابلہ کا فیصلہ بھی اپنی والدہ کی اجازت اور دعاؤں کے ساتھ ہی کیا تھا۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندگی

آفریں اُس بیوہ خاتون پر جس نے گود میں تین سال کی شیر خوار بیٹی ہونے' مزید دو جوان ہوتی بیٹیوں کی ماں ہونے اور شوہر کی وفات کی وجہ سے خود کے ایامِ عدّت میں ہونے

کے باوجود اپنے اُس جوان بیٹے جس کی آعلیٰ تعلیم وتربیت کے لئے انہوں نے اپنا سارا سرمایہ لگا دیا تھا اور جو اُن کے ذریعہ معاش اور کفالت کا واحد وسیلہ تھا کو راہِ خدا میں آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ سرپرستی بھی کی اور وسائل و ذرائع کی قِلّت کے باوجود اُنھیں سہولتیں فراہم کیں تا کہ اُن کی کوششوں و کاوشوں میں کوئی کمی نہ رہے۔ اُن کی باہمّت باصلاحیت والدہ کی رگوں میں بھی تو اُنھیں بزرگوں کا خون دوڑ رہا تھا جنہوں نے حضرت احمد شہیدؒ کے ساتھ شہادت کا درجہ حاصل کیا تھا۔

منظور عالم صاحب کے خزانے علم کی دولت سے لبریز تھے۔ اُن کے پاس معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ اُنھوں نے قرآن شریف کی تفسیر اور حدیثوں کا' اسلامی تاریخ اور خلفاء راشدین کی سوانح حیات کا اور علامہ اقبالؔ کی شاعری کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ قرآن و حدیث اُن کی روح میں اور علامہ اقبالؔ کی شاعری کا فلسفہ ان کے دل و دماغ میں تحلیل ہو چکا تھا۔ تاریخ اور جغرافیہ اُن کے پسندیدہ مضمون تھے۔ اسلامی تاریخ اور خلفاء راشدین کی سوانح اُنھیں یاد تھیں۔ یاداشت کا یہ عالم کہ ایک بار جس کتاب کو پڑھ لیتے پوری حفظ ہو جاتی۔ کتاب کے مصنّف کے نام سے لے کر اشاعت کا سال اور کتاب کے کس صفحہ پر کس مضمون پر کیا لکھا ہے فوراً بتا دیا کرتے تھے۔

اپنے علم کو اُنھوں نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ ان کو سمجھایا کہ حکومت سے وہ اپنا حق مانگ رہے ہیں خیرات نہیں۔ اسلامی تاریخ کی روشنی میں اور خلفاء راشدین کی سوانح کی مثالیں دے کر حقوق کی حصول یابی کی جنگ سر اُٹھا کر لڑنے کی ترغیب دی۔ اُن کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھا دی کہ اُنھیں اپنے اور اپنے ہم وطنوں کی خوش حالی کے لئے

جرأت اور بہادری کے ساتھ جدوجہد اور مدافعت کرنی ہے۔اُنھوں نے قوم وعوام کو متحد اور مستحکم رہنے' ایک دوسرے کے لئے ایثار اور قربانی اور اولاد کو جدید تعلیم دلوانے کی تبلیغ کی۔اُن کے اعمال اور تقریروں سے متاثر ہو کر سیکڑوں افراد اُن کی جماعت میں شامل ہو گئے۔علامہ اقبالؔ کے فلسفۂ دین وعلم سے لبریز اُن کی تقریریں سننے والے کے دل ودماغ میں مولوی کے وعظ کی طرح اُترتی چلی جاتیں۔لوگ اُنھیں مولانا نہ کہہ کر بھی بلانے لگے تھے۔

اب بلا ناغہ کسی نہ کسی ساتھی کے مکان کے نزدیک نشستوں کا دور شروع ہو گیا جہاں محلّہ کے بہت سے افراد جمع ہو جاتے۔اُن کی ہر مجلس علامہ اقبال کی نظم 'اُٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو' سے ہی شروع ہوتی تھی۔اپنی جماعت کے اراکین اور عوام کو ملک کے حالات سے باخبر رکھنے' انسانی حقوق سے روشناس کرانے اور حقوق کی حصول یابی کے لئے جدوجہد اور مدافعت کرنے' حکمرانوں کے فرائض سے واقفیت کرانے کی دونوں حضرات کے ذریعہ دی جارہی تربیت رنگ لا رہی تھی۔عوام میں اُن کی مقبولیت بڑھتی جارہی تھی۔اُن کی کارکردگی اب تحریک کی شکل اختیار کر رہی تھی۔اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے ۱۹۴۵ء میں ایک تنظیم کی تشکیل دی گئی۔اُس تنظیم کا نام رکھا گیا 'انجمن رِعایہ ٹونک' جس کے جنرل سیکریٹری منظور عالم صاحب منتخب ہوئے اور ٹونک میں جمہوریت کی دستک سنائی دی:

گرماؤ غلاموں کا لہُو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کُہن تم کو نظر آئے مِٹا دو

اُس وقت ٹونک کے نواب جناب سعادت علی خاں تھے جو ایک نیک اور رحم دل حکمراں تھے۔ اُنھوں نے عوام کی فلاح و بہبود اور خوش حالی کے لئے بہت سے کام کئے تھے۔ ریاست ٹونک انگریز ریزیڈنٹ کے تسلُط میں تھی جو جے پور رہا کرتا تھا۔ اجمیر میں انگریز سیاسی نمائندہ رہا کرتا تھا' جس کا دفتر گرمیوں میں ماؤنٹ آبو چلا جاتا تھا۔

ٹونک میں عوام کی فلاح و بہبود' ریاست کے نظم ونسق اور دیگر بندوبست کے لئے ایک مجلسِ اِنتظامیہ قائم تھی۔ جس کے صدر خود نواب صاحب ہوتے تھے۔ نائب صدر کا تقرر انگریز ریزیڈنٹ سیاسی نمائندہ کے مشورہ سے کرتا تھا۔ پولس کے منصبِ اعلیٰ کا عہدہ آئی جی کا ہوا کرتا تھا۔ ہوم ممبر اور وزارت کے دیگر عہدوں پر نواب صاحب کے معتمد اور قریبی رشتہ کے صاحبزادگان کو خود نواب صاحب ہی فائز کیا کرتے تھے۔ ریاست کے نظم ونسق اور دیگر بندوبست کے تمام اِختیارات نائب صدر کے پاس تھے۔ پولس اور خفیہ شعبہ بھی اسی کے ماتحت تھے۔ ریاست کے ہر شعبہ کے کام کاج اور عہدیداروں پر اس کی نگرانی اور نظارت رہتی۔ وہ انگریز افسران کے اشاروں پر کام کیا کرتا تھا۔ نواب صاحب کے مصاحبین اور مشیروں پر اس کی بالادستی تھی۔

مجلسِ اِنتظامیہ کے نائب صدر کے عہدے پر ایس ایم میر فائز تھا۔ جو گندی ذہنیت کا نالائق' ناقابل اور نااہل انسان تھا۔ ٹونک اور اس کے ہر پرگنہ میں بدامنی اور بد اِنتظامی تھی۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء کو گلزار باغ میں نواب صاحب' ایس ایم میر' آئی جی پولس لِنڈین بوم اور دربار سیکریٹری حامد علی بیگ کے درمیان جو میٹنگ ہوئی اُس میں ایس ایم میر نے جامع مسجد قافلہ میں منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب کی تقریروں کا حوالہ دے کر اُنھیں

گرفتار کرنے کا دباؤ لِنڈین بوم پر بنایا اور پولس پر انجمن کے حمایتی ہونے کا الزام لگایا۔ اس پر لِنڈین بوم نے اُسی دن ایس ایم میر کو احتجاجی خط لکھا جس میں سیلاب سے تباہ و برباد غریب عوام کی پژمردگی پر تشویش ظاہر کی اور اُن کے حق میں کی گئی تقریروں کو معتدل اور متوسّط بتایا۔

۲۲ر نومبر ۱۹۴۵ء کو انگریز ریزیڈنٹ راجپوتانہ جے پور، جارج جیلان کے پولس صلاح کار نے اُنھیں جو خط لکھا اُس میں ایس ایم میر کے ناقابل، نااہل اور راشی ہونے، نواب صاحب کے بھاری قرض میں ڈوبے ہونے، اُنھیں ریاست کے خزانہ سے غلط طریقہ سے رقم مہیّا کرا کر ایس ایم میر کے نائب صدر کے عہدہ پر قابض رہنے، سیلاب سے تباہ و برباد غریب الم زدہ عوام کی کوئی امداد نہ کرنے اور غلّہ کی ناجائز درآمد ہونے کا ذکر ہے۔

انجمن کی تشکیل کے ساتھ ہی اِس کا سیدھا تصادم انگریز حکومت کے نمائندوں اور ریاست کے عہدیداروں سے شروع ہو گیا۔ انجمن اور ریاست کے درمیان ایک سرد جنگ کا آغاز ہوا۔ افواہوں کے بازار گرم ہونے لگے۔ خفیہ شعبہ اور چاپلوس مصاحبین اس سرد جنگ کو ہوا دے کر بھڑکا رہے تھے۔ انجمن کا دائرہ بڑھنے لگا۔ ہر مذہب و ملّت کے پیروکار ہر محلّہ اور بستی کے باشندگان انجمن کے سائبان تلے جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ انجمن کا مطالبہ محض اتنا تھا کہ بارش سے تباہ و برباد غریب مفلس عوام کے مکانوں کو یا تو پختہ بنایا جائے یا مرمّت کرائی جائے، اُن کے لئے غلّہ فراہم کیا جائے، اُن کے ذریعہ معاش کا بندوبست کیا جائے۔ لیکن ریاست کے عہدیدار اِن مطالبات کو ماننے کے لئے راضی نہ تھے۔

انگریز بنیادی طور پر سازشی، فطرتی اور تخریبی ذہنیت کا مالک تھا۔ اُسے نہ تو عوام کی فلاح کی فکر تھی نہ بہبود کی خواہش۔ بظاہر تو انگریز اُصولوں کے پابند اور انصاف پسند نظر آتے

لیکن باطن میں وہ بالکل مختلف تھے۔ انھیں ریشہ دوانیوں کے چلتے مجلسِ اِنتظامیہ کے نائب صدر میر نے خفیہ شعبہ کے ارکان کی مدد سے نواب صاحب کے مصاحبین اور مشیروں کو بہلا پھسلا کر اُکسایا اور اُن کے ذریعہ نواب صاحب کو بدگمان کرنا شروع کر دیا۔ اُنھیں یہاں تک ورغلایا گیا کہ دونوں نوجوان وکیل عوام کی مدد سے خونریز بغاوت کر کے ریاست کا تختہ پلٹنے کی سازش کر رہے ہیں۔ نواب صاحب کو ہندوستان کے حالات کا بخوبی علم تھا۔ ملک کی صورتِ حال انگریز حکومت اور اس کی ریاستوں کے حق میں نہیں تھی۔ پورے ملک میں اِنتشار تھا۔ آزادی کی جنگ اپنے عروج پر تھی۔ اور ٹونک میں جنگِ آزادی کا پرچم دونوجوان وکیل بلند کر رہے تھے۔ نواب صاحب نے بھی سوچا کہ اگر دونوں حضرات پر لگام نہیں کسی گئی تو اُن کی ریاست اور اِقتدار خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔

ریاست کے ہر شعبہ میں بد اِنتظامی تھی، عہدیدار ریاست کے باہر غلّہ کی ناجائز درآمد کرا کر تاجروں سے ذاتی منافعہ کما رہے تھے۔ انگریز نائب صدر اوجیر کے دور میں راشن کے ذریعہ شروع کی گئی غلّہ کی تقسیم موقوف کر دی گئی تھی۔ مفلس عوام بے حد پریشاں تھی۔ بے شمار غریب ایسے بھی تھے جنھیں ایک وقت کی روٹی بھی مشکل سے نصیب ہوتی تھی۔ کبھی کبھی تو پورا دن ہی فاقہ کی نذر ہو جاتا تھا۔ موسمِ سرما میں انجمن کے ایک رکن کے محلّہ میں مجلس کا اہتمام تھا۔ جس میں اقبالؔ کی وہی نظم پڑھی جا رہی تھی اور جب یہ شعر پڑھا گیا کہ :

جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہیں روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

تب کچھ نوجوانوں نے یہ تجویز رکھی کہ اناج کے سرکاری گوداموں پر قبضہ کر کے غلّہ غرباء میں

تقسیم کر دیا جائے۔ سربراہِ انجمن نے بہت خوش اصلوبی سے نوجوانوں کی اُس تجویز کو مسترد کر دیا۔ لیکن اُنھیں یہ احساس بھی ہو گیا کہ اُن کی درس و تدریس نے جو چراغ روشن کئے ہیں، وہ اُس چنگاری کے مانند ہیں جو ہوا کے معمولی جھونکے سے شعلہ بن سکتی ہے۔ اور یہ شعلے آتش فشاں کا روپ بھی اِختیار کر سکتے ہیں۔ عوام کے دل و دماغ میں اِس جوت کو جلائے رکھنا اور اِن چراغوں کو روشن رکھنا اگر ضروی تھا تو اِس غم و غصّہ کا اِخراج بھی نہایت ضروری تھا۔ وہ گاندھی جی کے اہنساوادی آندولن کی طرز پر عدم تشدّد کے ساتھ ایک امن پسند تحریک چلانا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے نوجوانوں کو سمجھایا کہ امن پسند عوامی تحریک کے ذریعہ حکومت کو غرباء میں غلّہ تقسیم کرنے کے لئے مجبور کیا جائے گا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ غریب معصوم گرفتار ہوں اور جیل میں ڈال دئے جائیں۔ لیکن اپنے ساتھیوں کے جذبات کا احترام بھی ضروری تھا۔ غریب عوام کی نفسا نفسی کے حالات نواب صاحب اور انگریز حکومت تک پہنچانے کی کوشش میں وہ سرگرداں رہے اور اِس جُگت میں بھی مصروف رہے کہ کسی طرح حکومت کو غریب عوام میں غلّہ تقسیم کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔

غریب مفلس عوام کے بہت سے رشتہ دار، عزیز و اقارب نواب صاحب کے محل اور ریاست کے عہدیداروں کی حویلیوں میں چاکری کیا کرتے تھے، جن کے ذریعہ محلوں اور حویلیوں کی خبریں عوام تک پہنچ جایا کرتیں تھیں۔ دونوں حضرات کو پتہ چلا کہ انگریز سیاسی نمائندہ کرنل جی بی ولیم سرکاری دورہ پر ٹونک آئے ہوئے ہیں۔ دونوں حضرات اُن سے ملنے کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔ لیکن انگریز افسر سے ملنا اتنا آسان نہ تھا۔ جس ریاست میں مقامی عہدیداروں سے ملاقات ہی مُحال ہو وہاں سیاسی نمائندہ جیسے آعلیٰ افسر سے ملاقات تو

دور اُسے نظر بھر دیکھنا بھی اُن کی دسترس سے باہر تھا۔

محل نظر باغ میں چاکری کرنے والے ایک شخص سے اُنھیں یہ خبر ملی کہ کرنل ولیم کو نواب صاحب مرغابیوں کے شکار کے لئے لے کر گئے ہیں۔ اُس دور سے آزادی کے کئی سال بعد تک سردیوں کے موسم میں ٹونک کے گردونواح میں واقع تالابوں پر دوسرے ممالک سے نقلِ وطن کرکے آئے آبی پرندوں، بطخوں وغیرہ کے شکار کی بڑی شہرت اور غلغلہ تھا۔ خصوصاً گرے گوز کا شکار یعنی بھورے، خاکستری رنگ کی بطخ جسے ٹونک میں قاز کہتے ہیں۔ ہر اتوار کو کسی تالاب پر اِس شکار کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ خصوصاً ٹونک سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقعہ چندلائی کے تالاب پر کیونکہ وہاں اِن آبی پرندوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی۔ خود نواب صاحب اس شکار میں شرکت کرتے تھے۔

دونوں حضرات نے کرنل ولیم اور نواب صاحب کے شکار سے واپسی پر اُنھیں راستہ میں روک کر ملنے کا جرأت مندانہ فیصلہ کیا اور انجمن کے سیکڑوں اراکین کے ساتھ مل کر نواب صاحب کی سواری کو روک لیا۔ چند لمحوں میں وہاں بھاری بھیڑ جمع ہوگئی۔ دونوں حضرات نے غریب مخلوق کی پژمردگی اور پسماندگی کے حالات اُنھیں بتائے اور راشن سے غریبوں میں غلّہ تقسیم کرانے اور ایس ایم میر کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیا۔ جی بی ولیم نے ۱۰؍فروری ۱۹۴۶ء کے اس واقعہ کا ذکر اپنے ٹونک دورہ کی روداد میں کیا ہے۔

اُن کے اِس اِقدام کے کچھ ہی دن بعد نواب صاحب نے ٹونک کے دیہاتی علاقوں کا دورہ کیا اور بہت سے گاؤں کے پنچ پٹیلوں سے ملاقات کی۔ پنچ پٹیلوں نے اُن کی پذیرائی کی اور خاطر تواضع کرنی چاہی لیکن نواب صاحب نے کچھ نہیں کھایا اور پنچ پٹیلوں سے استدعا کی

کہ شہر کی غریب مخلوق کے لئے غلّہ مہیّا کرائیں۔اُن کے کہنے پر پٹیلوں نے غلّہ اکٹھا کر کے ٹونک شہر کو بھجوایا جسے شہر کی مختلف حویلیوں میں رکھوایا گیا اور غریبوں میں تقسیم کرایا گیا۔

ریاست کے عہدیداروں میں دونوں حضرات کے چرچے عام ہو گئے تھے۔انگریز حکومت کو سب سے بڑا خطرہ عوام کے متحد ہونے سے تھا۔ہندوستان میں ہر طرف آزادی کی جنگ لڑی جارہی تھی۔لیکن ٹونک کے عوام اس سے بے خبر ہی تھے۔عوام کی پہنچ میں نہ اخبار تھا نہ ہی ریڈیو۔اُن تک تو خبریں ہفتوں مہینوں بعد قصّہ کہانیوں کی شکل میں پہنچتی تھی۔اُن دنوں اخبار ڈاک سے ہفتہ عشرہ میں آیا کرتے تھے۔منظور عالم صاحب پابندی سے اخبار منگا کر پڑھتے اور اپنے ساتھیوں کو سناتے۔لیکن اُن اخبارات میں ملک سے متعلق ہی خبریں ہوتی تھیں۔ریاست اور مقامی خبروں کو عوام تک پہنچانے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب کے ایک دوست جناب عمر حیات خاں علی گڑھ (یوپی) میں اُردو اخبار 'ہادی' کے ایڈیٹر تھے۔ٹونک کے غریب مفلس عوام کی نفسا نفسی سے متعلق خبریں انھیں بھیجی جاتیں جنھیں وہ اپنے اخبار میں شائع کر کے اُس کی بہت سی کاپیاں ٹونک بھجوا دیتے۔جنھیں عوام میں تقسیم کر دیا جاتا۔ڈاک سے خبریں بھیجنا اور اخبار منگانا بہت خطرناک تھا اس لئے خبریں دستی بھیجی جاتیں اور اخبار بھی دستی ہی منگائے جاتے۔ انگریز حکومت اور ریاست کے خلاف چھپی خبروں کے اخبارات کی تقسیم میں گرفتاری کا خطرہ لاحق تھا۔اس لئے ان اخبارات کو نماز کے بعد مساجد کے باہر نمازیوں میں احتیاط اور خاموشی سے تقسیم کیا جاتا تھا۔

دونوں حضرات کی کارکردگی کی خبریں اب بستی محلّہ سے نکل کر حویلیوں اور محلوں تک

پہنچنے لگی تھیں۔ انگریز سرکار اور ریاست کے خفیہ شعبہ نے بھی ان کے متعلق معلومات اخذ کر کے اپنے حکمرانوں کو دینی شروع کر دیں۔ اور ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھی جانے لگی۔ ہادی اخبار پر ریاست میں پابندی عائد کر دی گئی۔ تب اخبار کا نام ہادی سے بدل کر مہادی کروایا گیا اور تقسیم جاری رکھی گئی۔

مجلسِ اِنتظامیہ کے نائب صدر ایس ایم میر نے اپنے انگریز آقاؤں کے اشارہ پر خفیہ شعبہ کی مدد سے ریاست کے چاپلوس مصاحبین اور فطرتی مشیروں اور مفاد پرست عہدیداروں کا ایک گروہ بنا دیا اور سازشوں کے بازار گرم کر دئے۔ ریاست کے عہدیداروں کے تحفظ اور دفاع کے لئے ایک جاں نثار پارٹی بنائی گئی جس میں زیادہ تر ریاست کے ملازم اور چند مفاد پرست لوگ شامل تھے۔ محمّد میر کے اس شر پسند گروہ کے رکن جعفر اور صادق کے مانند تھے جن کے لئے علامہ اقبالؔ نے فرمایا ہے۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ ملت ننگِ دیں ننگِ وطن

ایک دن دونوں سربراہانِ انجمن کو اِطلاع دی گئی کہ نواب صاحب نے اُنھیں ملاقات کے لئے طلب فرمایا ہے۔ ملاقات کا وقت اور جگہ بھی بتائی گئی۔ دونوں حضرات محل نظر باغ میں مقررہ مقام پر قبل از وقت پہنچ گئے۔ طویل اِنتظار کے بعد نواب صاحب تشریف لائے اور آتے ہی پوچھا۔ ''کہیے کیسے آئے'' جواب دیا ''آپ نے بلایا ہے اِس لئے آئے ہیں'' اس پر نواب صاحب نے کہا ''میں نے تو نہیں بلوایا''۔ دونوں حیرت و تعجب سے اُنھیں چند لمحہ دیکھتے رہے اور پھر سلام کر کے اُٹھ کر چلے آئے۔ اس واقعہ کی وجہ شر پسندوں کی خرافات

تھی یا ترسیل و مراسلہ کا خلاء یہ معلوم نہیں ہو سکا۔لیکن اس واقعہ کے بعد ریاست اور انجمن میں کشیدگی مزید بڑھ گئی اور ساتھ ساتھ انجمن کی سرگرمیاں بھی۔ اسی دوران دونوں حضرات نے جے پور جا کر ریزیڈینٹ آر آر برنیٹ سے بھی ملاقات کی اور مفلس عوام کی امداد اور ایس ایم میر کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔

نائب صدر ایس ایم میر نے نواب صاحب کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ لیکن ریاست کے بگڑتے حالات کی وجہ سے اب نواب صاحب بھی میر سے نالاں و ناخوش تھے۔ریزیڈینٹ آر آر برنیٹ نے ۱۹ تا ۲۱ جولائی ۱۹۴۶ء کے ٹونک دورہ کی روداد میں نواب صاحب کے محمّد میر کو تبدیل کرنے کی درخواست اور سربراہانِ انجمن سے جے پور میں ہوئی ملاقات کا ذکر ہے۔اس پر میر کی جگہ رحمان بخش قادری کو فائز کیا گیا۔قادری صاحب نے یہ عہدہ ماہ اکتوبر میں سنبھالا۔آئی جی لِنڈن بوم مارچ میں ہی اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے تھے۔اُن کے بعد شیخ حمید اللہ کو آئی جی بنایا گیا۔لیکن میر اور اُس کا جعفر و صادق گروہ انجمن کی عوامی تحریک کے خلاف پوری طرح سرگرمِ عمل رہا۔

ایک شام دونوں حضرات کو گھنٹہ گھر کے پاس جناب اچھن خانصاحب ملے اور بڑے پیار سے کہا ''ارے غنڈوں یوں آزاد بے فکر کہاں گھوم رہے ہو۔جاؤ جلدی جا کر کہیں چھپ جاؤ، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم دونوں کی گرفتاری کے وارنٹ نکل گئے ہیں''۔اُس دور میں گرفتاری کے خیال سے ہی پسینہ چھوٹ جاتا اور لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔کیونکہ ایسی گرفتاری کی نہ سماعت تھی نہ دادرسی۔لیکن وہ دلیر باہمّت اور بے باک انسان تھے اُن کا حوصلہ بلند اور قابلِ دید تھا۔اُنھوں نے فرار ہو کر روپوش ہو جانے پر گرفتاری کو ترجیح دی۔

دونوں حضرات نے انجمن کے کچھ خاص اراکین کو بلوایا اور گرفتاری کے بعد کے حالات پر غور وفکر شروع ہوا۔ انجمن کے اراکین کا مشورہ تھا کہ شہر میں منادی کرائی جائے اور عوام کو جمع کیا جائے، گرفتاری کی پرزور مخالفت کی جائے، اگر گرفتاری حتمی' ناگزیر ہو تو سیکڑوں افراد ایک ساتھ گرفتاری دیں۔ لیکن سربراہانِ انجمن نے اپنے جانثاروں کی تجاویز کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ ہوسکتا ہے یہ افواہ صرف عوام میں خوف وہراس پھیلانے' اصل مطالبات سے توجہ ہٹانے اور تحریک کو کمزور کرنے کی غرض سے پھیلائی گئی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حکومت انجمن کے خاص خاص کارکنوں کو قانون شکنی کے بہانے گرفتار کر کے مقدمہ قائم کرنے کے موقعہ تلاش رہی ہو۔ انھوں نے انجمن کے کارکنوں کو سمجھایا کہ اُن کی گرفتاری کی صورت میں صبر وتحمّل سے کام لیا جائے، عدم تشدد کے ساتھ' قانون کے دائرہ میں ثابت قدم رہتے ہوئے جوش وخروش کے ساتھ انجمن کی تحریک کو آگے بڑھایا جائے۔ اور فی الحال حکومت کے اگلے قدم کا انتظار کیا جائے۔ ارکانِ انجمن نے اپنے سربراہان کی رائے سے اتفاق کیا۔ پھر بھی وہ ان کے پاس بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ اور کافی سمجھانے کے بعد ہی رخصت ہوئے۔

دونوں حضرات جب اکیلے رہ گئے تو تمام حالات پر از سرِ نو غور کیا۔ کسی احتجاج کے بغیر گرفتاری سیاسی بساط پر ایک دور اندیشانہ فیصلہ تھا۔ گرفتاری کی شکل میں اُنھیں عوام کی حمایت حاصل ہونا تو لازم تھا لیکن گرفتار ہونے پر وہ حکومت کے ظلم وتشدت کا شکار بھی ہوتے' جو اپنے والدین کی پٹائی تو دور اُن کی ڈانٹ وسرزنش سے بھی ناآشنہ تھے اُنھوں نے صرف عوام کی فلاح وبہبود کی خاطر اُس دورِ حکومت میں ہر ظلم وزیاتی برداشت کرنے کا فیصلہ کر کے مستقبل قریب میں پیدا ہونے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو تیار کر لیا۔ اور سبھی

اراکین انجمن کے رخصت ہونے کے بعد دونوں حضرات پرانی ٹونک کے مکان جس میں اُن دنوں منظور عالم صاحب رہا کرتے تھے کے پاس ایک بڑ کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور دیر رات تک پولس کا اِنتظار کرتے رہے۔کافی رات گزر جانے کے بعد جب کوئی نہ آیا تو اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ رات کے آخری پہر منظور عالم صاحب کے گھر کا داخلی دروازہ کھٹ کھٹایا گیا، اُن کی آنکھ کھل گئی، وہ اُٹھے وضوع کیا، نماز ادا کی اور شیروانی پہنی پھر سوتی ہوئی والدہ کے قدموں کے پاس کھڑے رہ کر اُن کو دیکھتے رہے اور پھر آہستہ سے سلام کر کے باہر آ گئے اور دروازہ کھول دیا۔لیکن سامنے پولس کے بجائے اک شناسا کو دیکھ کر اُنھیں مسرت کے ساتھ مایوسی بھی ہوئی۔

لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ سربراہانِ انجمن کی گرفتاری کی سازش رچی جا چکی تھی۔ ریاست کے عہدیدار موقعہ تلاش رہے تھے۔ پولس پس وپیش میں تھی کہ گرفتاری کس طرح عمل میں لائی جائے' گرفتاری کے بعد حالات کیا رُخ اِختیار کرینگے، اندازہ لگانا مشکل تھا۔ انجمن کی سرگرمیاں نشستوں اور مجلسوں تک محدود تھیں۔اب تک نہ تو کوئی عوامی جلسہ منعقد ہوا تھا اور نہ ہی احتجاج کے لئے سرِ عام مظاہرے کئے گئے تھے۔لیکن منظور عالم صاحب کی تقریروں اور فلسفہ سے متاثر ہو کر عوام کی فکر وسوچ بھی اُن سے ہم آہنگ ہو گئی تھی اور لوگ ذہنی طور پر ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے تھے۔آخر ایک دن پولس نے ہمّت کر کے حبیب الدین خانصاحب کو گرفتار کر لیا۔گرفتاری کی خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔شہر میں سنّاٹا پسر گیا۔پولس گشت بڑھا دی گئی بازار چوراہوں پر پولس تیعنات کر دی گئی۔

عوام کے دلوں میں غم اور غصّہ تھا لیکن کچھ مزید انہونی کا ڈر اور خوف بھی تھا۔لوگ

اپنے محلہّ اور گھروں میں سمٹ گئے۔لیکن مردِمجاہد، رہبرِ ملّت منظور عالم صاحب کہاں رکنے والے تھے۔شیروانی پہنی اور تن تنہا گھر سے نکل پڑے۔پڑوسی ہمسائے حیرت وتجسّس لیکن پُر اُمید نظروں سے اُن کی طرف دیکھ رہے تھے۔اُن کے ہاتھ اُٹھا کر ساتھ آنے کا اِشارہ کرنے کی ہی دیر تھی کہ لوگ گھروں کے چبوتروں سے اُتر کر، ڈیوڑھیوں کی دہلیز پھلانگ کر اُن کے ہمراہ چل پڑے اور کارواں بنتا گیا۔

پرانی ٹونک سے گھنٹا گھر، پانچ بتّی ہوتا ہوا یہ کارواں جب بازار قافلہ پہنچا تو عوام کی تعداد ہزاروں میں پہنچ گئی۔ چوراہوں پر کھڑی پولس تماشہ دیکھتی رہی۔وہ منظر بھی کچھ کچھ گاندھی جی کے ڈانڈی مارچ جیسا ہی تھا۔بازار قافلہ کے مغرب میں جہاں محلّہ قافلہ آباد ہے وہاں پہلے ایک بڑا میدان تھا جو آبادی میں اضافہ کی وجہ سے اب چھوٹا ہو گیا ہے۔آج بھی مالنیں وہاں بیٹھ کر سبزی فروخت کرتی ہیں۔اس میدان کے سامنے مرحوم ومغفور جناب حبیب الدین خانصاحب کا مکان ہے اور اسی مکان سے اُنھیں گرفتار کیا گیا تھا۔بازار قافلہ سے یہ کارواں اُس میدان میں پہنچا۔

کیا حُسنِ اِتفاق تھا کہ قریب سو سال پہلے بناس ندی کے کنارے آباد شہر ٹونک کی جس سرزمیں پر منظور عالم صاحب کے پُرسانِ حال آبا واجداد نے اِک قافلہ کے ساتھ آکر ڈیرہ ڈالا تھا، اُسی سرزمیں کے ایک خطہ پر اُن کا جانشیں آج ایک اور قافلہ لئے کھڑا تھا۔

اے آب رود گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو
اترا تیرے کنارے جب کارواں ہمارا

لیکن وہ قافلہ! وہ کارواں! تو اِک لشکر کے مانند تھا جس کا سپہ سالار ریلغار کے لئے

اپنی جمہوری افواج کی صفحوں کو ترتیب دے رہا تھا۔ جس کے آبا و اجداد ہزاروں میل دور سے سر پر کفن باندھ کر راہِ خدا میں ظلم کے خلاف جنگ کرنے نکل پڑے تھے۔ اُن کے جانشیں اور والی کے خون ہی میں ظلم و زیادتی کے خلاف جدوجہد کرنے کی بے پناہ قوّت اور صلاحیت تھی۔ شہر کی ہر جانب سے جوق در جوق مخلوق اُس میدان میں پہنچنے لگی۔ یہ اُن لوگوں کا ہجوم تھا جنھیں کسی نے وہاں مدعو نہیں کیا تھا۔

عوام کو خطاب کرنے کے لئے وہ ایک اونچے مقام پر کھڑے ہو گئے۔ اب تک اُن کی تقریریں نشستوں اور مجلسوں تک محدود تھیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب وہ ایک عوامی جلسہ میں تقریر کر رہے تھے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ روشنی کے لئے ایک شخص گیس کا ہنڈہ اپنی ہتھیلی پر لئے کھڑا تھا' جوش و جنوں کا یہ عالم تھا کہ کب اُس کی ہتھیلی گرمی سے جھلس گئی اسے پتہ بھی نہ چلا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ لیکن ان سب سے بے پرواہ موجود ہجوم اپنے ہمدرد' اپنے رہبر' اپنے رہنما' اپنے قائد کو سانس روک کر سن رہا تھا۔ اُن کی جوشیلی تقریر دو گھنٹہ سے جاری تھی۔ لوگوں میں جوش اور ولولہ تھا۔ اور جب اُنھوں نے علامہ اقبالؔ کا یہ شعر پڑھا کہ :

اُٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمراء کے در و دیوار ہلا دو

تب وہاں موجود ہجوم کے صبر کا پیمانہ چھلک اُٹھا اور وہ زور زور سے چلّانے لگے ہلا دو نہیں گرا دو! گرا دو! گرا دو!۔ ہجوم میں ایک عجیب ہلچل، ایک عجیب بے قراری تھی وہ اپنے رہبر کے اُس اِشارہ کے منتظر تھے جس پر اُنھیں جیل کی طرف کوچ کرنا تھا اور کاخِ اُمراء کے در و دیوار گرانے تھے۔ اُن کے رہبر بھی کوچ کا اِشارہ کرنے ہی والے تھے تبھی وہاں آئی جی

پولس آ گئے اور یہ اِطلاع دی کہ جناب حبیب الدین خان صاحب کو جیل سے رِہا کر دیا گیا ہے۔اور پھر وہ ہجوم خوشی سے سرشار جھومتا ہوا منظور عالم صاحب کے ساتھ حبیب الدین خاں صاحب کے اِستقبال کے لئے جیل کی جانب چلا گیا اور انھیں ایک بڑے جلوس کے ساتھ کاندھوں پر بٹھا کر گھر لایا گیا۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

حبیب الدین خانصاحب کی گرفتاری سے متعلق ۲۷ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو آئی جی پولس نے انگریز ریزیڈینٹ اور سیاسی نمائندہ کو جو رپورٹ بھیجی اس کے مطابق ۱۳ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو صبح دس بجے حبیب الدین خانصاحب، احمد صاحب، عبداللہ صاحب اور زین العابدین صاحب نے میونسپلٹی کے ملازم فیاض بلند عرف کالا کے ساتھ جھگڑا کیا' حبیب الدین خانصاحب نے ہاتھوں سے اُس کی گردن پکڑی اور اُن کے ساتھیوں نے اُس کے ساتھ مار پیٹ کی۔کالا نے اپنے دفاع میں اپنے بھتیجے حاجی سے تلوار منگوائی، تلوار کے وار سے عبداللہ صاحب زخمی ہوئے۔اس پر حبیب الدین خانصاحب اور ان کے ساتھیوں کے خلاف دفعہ ۳۰۷ تعزیراتِ ہند یعنی اِرادتاً قاتلانہ حملہ کا مقدمہ درج کیا گیا اور انھیں اور ان کے ساتھیوں کو اسی دن گرفتار کیا گیا اور جیل بھیج دیا گیا۔لیکن اُسی رات ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔اُن کی رہائی کے لئے منظور عالم وکیل نے بہت بڑا احتجاجی جلسہ کیا اور رہائی پر بڑا جلوس نکالا۔

اراکینِ انجمن کے چھوٹے موٹے جھگڑے، کہاسنی وغیرہ ریاست کے ملازموں خصوصاً جاں نثار پارٹی سے تعلق رکھنے والے ملازموں سے آئے دن ہوتے رہتے تھے۔

ایسے ہی معمولی واقعہ پر قاتلانہ حملہ کا مقدمہ درج کر کے آناً فاناً گرفتاری اور جس شخص نے تلوار سے حملہ کر کے ارکانِ انجمن کو زخمی کیا ہو اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ گرفتاری ایک سازش کا نتیجہ تھی۔ لیکن منظور عالم صاحب کی تقریر سے عوام کے غم و غصّہ میں آئے جوش و اُبال نے حکومت کو جھکنے پر مجبور کیا اور راتوں رات ہی سبھی کو رہا کرنا پڑا۔

ٹونک میں عوام اور جمہوریت کی یہ پہلی فتح تھی۔ طبلِ جنگ بج گیا تھا۔ جمہوریت نے ٹونک کی سرزمیں پر اپنے قدم مضبوطی کے ساتھ رکھ دئے تھے اور اب آگے بڑھنے کے لئے زمین ہموار ہو رہی تھی۔ ہفتہ عشرہ میں مختلف مقامات پر عوامی جلسے منعقد کئے جانے لگے۔ اس کے لئے شہر میں باقاعدہ اعلان کرایا جاتا۔ اُس وقت لاؤڈ اسپیکر تو تھے نہیں۔ اعلان کرنے کے لئے ٹین کی چادر کا بھونپو بنوایا گیا۔ جناب محمّد صید عرف مچھو خانصاحب جن کی آواز بہت بلند تھی سائیکل پر اُس بھونپو کو لے کر شہر میں گھوم گھوم کر جلسہ کے وقت اور مقام کا اعلان کرتے تھے اور جلسہ میں علامہ اقبالؔ کی نظمیں بھی پڑھا کرتے تھے۔ عوامی جلسے اب کھلے عام منعقد ہونے لگے۔ ناظرین اور سامعین کی تعداد ہزاروں میں پہنچنے لگی۔ تقریر کرنے والوں کی آواز سامعین تک نہ پہنچنے کی وجہ سے جے پور سے لاؤڈ اِسپیکر بھی منگوائے گئے۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۴۶ء کو حبیب الدین صاحب کی ناجائز گرفتاری پر ایک بڑا احتجاجی جلسہ منعقد کیا گیا اور چیف جسٹس، ایس پی اور آئی جی کی برطرفی کا مطالبہ کیا گیا۔

دوسری طرف نائب صدر ایس ایم میرا اور اُس کا پورا گروہ انجمن کی مخالفت میں کمربستہ تھا۔ شہر کے معزز حضرات، عُلما اور شعراء پر دباؤ ڈال کر انجمن کی مخالفت کرنے، اس کو بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی۔ اُن کی عوامی تحریک کے خلاف ۲۸ ستمبر ۱۹۴۶ء کو وکیلوں کی بار اور

۹/اکتوبر ۱۹۴۶ء کو انجمنِ تحفظِ حقوق المسلمین سے قرارداد منظور کرا کر انگریز ریزیڈینٹ اور سیاسی نمائندہ کو بھجوائی گئیں۔ اسی عرصہ میں حکومتِ برتانیہ کے خفیہ شعبہ دہلی کے ایک افسر ٹونک آئے۔ اُنھوں نے ۱۲/اکتوبر ۱۹۴۶ء کو 'ٹونک کی اندھی بہری سرکار' کے عنوان سے غریب مفلس عوام کی پژمردگی اور پس ماندگی کی رپورٹ مفاد پرست مشیروں اور افسران کی فہرست اُن کی برطرفی یا تبادلہ کے التماس کے ساتھ گورنر جنرل اور ریزیڈنٹ کو بھیجی۔

نوابوں کے مشیر حالانکہ مقامی تھے لیکن اُن کا مفاد بھی انگریزوں سے جدا نہ تھا۔ عقلِ سلیم سے عاری مفاد پرست اور ناتجربہ کار مصاحب، مشیر اور عہدیدار انگریز حکومت کے ماتحت نائب صدر اور ریاست کے خفیہ شعبہ کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی تھے۔ ریاست کے نواب ناقصوں اور فاسقوں کے درمیان اس طرح گھر گئے تھے کہ چاہ کر بھی باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

حبیب الدین خان صاحب کی گرفتاری بھی انھیں ناقصوں کے خرافاتی دماغ کا نتیجہ تھی۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ نواب صاحب کے سربراہِ انجمن سے سیدھے مذاکرات ہوں۔ اس لئے ایسی حرکتیں کی جاتیں کہ دونوں کے درمیاں دوریاں اور کشیدگی بڑھے۔

سربراہِ انجمن کے اہل وعیال اور عوام کو حیران و پریشان اور خوف زدہ کرنے کے لئے طرح طرح کی افواہیں پھیلائی جاتیں۔ منظور عالم صاحب کی والدہ تک یہ خبر خفیہ طریقہ سے پہنچائی گئی کہ اُن کے گھر کی خادمہ کو نواب نے رکھوایا ہے تاکہ موقعہ ملتے ہی اُنھیں زہر دیا جاسکے۔ مہینوں اس خادمہ کی نقل وحرکت پر نظر رکھی گئی اس بے چاری کی بنائی ہوئی کھانے کی چیزوں کو پہلے بلّی یا پرندوں کو کھلا کر پرکھا جاتا۔ جناب نصیر محمد خاں صاحب، جن کی دختر بیگم بدرالنساء بعدازاں منظور عالم صاحب کی رفیقِ حیات ہوئیں، نے گھر آکر اپنی اہلیہ اور بیٹیوں

کو بتایا کہ نواب نے دلّی سے مخصوص رائفل اور کارتوس منگوالئے ہیں جو بے آواز ہیں۔اب ان دونوں نوجواں وکیلوں کا اللہ ہی مالک ہے۔شہر میں ایسی افواہوں کے روزنت نئے ٹکسالی گزٹ شائع ہوتے رہتے تھے۔

ہندوستان میں انگریز حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی لیکن اُن کی کینہ پرور فطرتی ذہنیت اب بھی حکومت قائم رکھنے میں مصروف تھی۔انگریز ایک طرف نوابوں اور راجاؤں کے ہاتھ میں تلوار دے دیتے تو دوسری طرف عوام کے ہاتھ میں ڈھال تھما دیتے۔نواب صاحب سے انجمن کو جو اُمیدیں تھیں اُن پر تو حبیب الدین خان صاحب کی گرفتاری کے بعد اوس پڑ گئی تھی۔لیکن اُن کی رِہائی کے لئے منظور عالم صاحب کی عوامی جلسہ میں کی گئی جوشیلی تقریر نے انجمن اور عوام کے حوصلوں کو آسمان پر پہنچا دیا تھا۔

حکمتِ عملی تبدیل کی گئی۔منظور عالم صاحب کو اُردو زبان کے ساتھ ساتھ فارسی اور انگریزی پر بھی عبور حاصل تھا۔الفاظ، جملوں اور فقروں کی بندش شاعرانہ تھی اور خط اتنا خوبصورت اور پکّا کہ پریس میں چھپا ہوا محسوس ہوتا تھا۔لوگ اُن کی تحریر کو پڑھنے سے پہلے اُن کے خوش خط میں ہی کھو جاتے تھے۔اللہ نے اُنھیں ایک اعلیٰ دماغ بخشا تھا اور اُنھوں نے اس کا بھرپور فائدہ اُٹھا کر اپنی محنت ولگن سے بے شمار صلاحیتیں حاصل کیں تھیں۔

نئی حکمتِ عملی کے تحت اُنھوں نے ایک خط انگریز ریزیڈینٹ این آر برنیٹ کو لکھا۔جس میں بارش سے عوام کی تباہی و بربادی کے حالات، ریاست کے عہدیداران کے غیر ذمہ دارانہ برتاؤ، فرض میں کوتاہی اور لاپرواہی اور مفلس عوام کے جائز مطالبات کو طاقت وتشدّد سے کچلنے کا ذکر تفصیل سے کیا۔ریزیڈینٹ اُن کے خوش خط اور طرزِ تحریر سے بہت متاثر

ہوا۔اُس نے اپنے دوروں میں ٹونک کو شامل کر کے سربراہانِ انجمن سے ملاقات کی تاریخ وقت اور مقام مقرّر کر کے اِطلاع انجمن کو بھجوادی۔

ریزیڈنٹ کی طرف سے ملاقات کا دعوت نامہ ٹونک پہنچا تو شہر کی عوام میں یہ خبر گشت کرنے لگی کہ ان کے رہنماؤں سے ملنے ریزیڈنٹ بذات خود ٹونک آرہا ہے۔اس خبر سے جہاں عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وہیں میر کے پروردہ گروہ،خفیہ شعبہ اوران کے ہمنوا ریاست کے عہدہ داروں اور مشیروں میں مُردنی اور مایوسی چھا گئی۔لیکن ان کے شاطر دماغ نے ایک نئی خرافات کرنے کا فیصلہ کیا اور نواب صاحب کے مشیروں کے ساتھ مل کر اُن کو گُمراہ کر بھڑکایا اور ورغلایا۔انھیں یہ احساس دلایا کہ یہ ان کی بہت بڑی بے عزتی ہے۔اس طرح نواب سعادت علی خاں جو انجمن کے رہنماؤں سے سیدھے مُذاکرات کرنا چاہتے تھے ایک بار پھر اُن کی سازش کا شکار ہو گئے۔

ریزیڈنٹ کے ٹونک آنے کا دن رفتہ رفتہ نزدیک آرہا تھا اور شہر کے عوام کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔دوسری طرف میر کے پروردہ گروہ نے خفیہ شعبہ کی مدد سے ریاست کے عہدے دار اور مشیروں کو بہکا کر انجمن کے رہنماؤں کے خلاف ایک نیا جال بچھانے میں مصروف تھے۔اور انجمن کے رہنما ان سب سے بے نیاز ریزیڈنٹ کے سامنے رکھے جانے والی غریب اور مفلس عوام کی بدحالی کی تصویر بنانے اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے اُٹھائے جانے والے اِقدامات کی فہرست تیّار کرنے میں مصروف تھے۔دیر رات تک لمبے بحث و مباحثہ ہوتے اور برباد مفلسوں کی فہرست اور نقصانات کا تخمینہ تیّار کیا جاتا۔لیکن قبل از وقت تمام تیّاریاں مُکمّل کر لی گئیں۔

پھر اُس مخصوص دن کا آفتاب بھی طلوع ہو گیا جب عوام کے رہنماؤں کی ملاقات انگریز حکومت کے ایک اعلیٰ عہدیدار سے ہونے والی تھی۔ ریاست کی طرف سے ریزیڈنٹ کے آمدورفت کے راستوں پر اور بازاروں میں خاص اِنتظامات کئے گئے تھے۔ عوام کو اُن کی بستی محلّوں تک محدود رکھا گیا تھا۔ عوام میں اِک خاموش سُگبُگاہٹ تھی لیکن زیرِ زمیں ترسیل ومراسلہ جاری تھا۔ مُقررہ وقت سے قبل پہنچنے کے لئے عوام کے دونوں رہنما روانہ ہو گئے۔ بستی محلّوں میں عوام انگُشت بدنداں تھے۔ ریزیڈنٹ سے اُن کے رہنماؤں کی ملاقات محلّہ مہندی باغ کے پاس پہاڑیہ پر واقعہ کوٹھی نمبر تین پر ہونی تھی؛ جس میں آجکل تحصیلدار کے تربیتی ادارہ کا ہوسٹل ہے۔

دونوں رہنما کوٹھی نمبر تین پر پہنچے اور وہاں موجود افسروں کو ریزیڈنٹ کی طرف سے بھیجا گیا دعوت نامہ دکھایا۔ انھیں عزّت کے ساتھ جہاں بٹھایا گیا وہیں جناب محمّد علی عرف مولوی ننھے خانصاحب بھی شہر ٹونک کی چند ممتاز شخصیتوں کے ساتھ موجود تھے جنھیں سلام کر کے دونوں بیٹھ گئے۔ جامع مسجد قافلہ کو اُس وقت سے آج تک شہر کی سب سے ممتاز مسجد کا مرتبہ حاصل رہا ہے اور اس کے امام کو بہت عزّت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ لیکن اُس دور میں امام کا عہدہ بھی ریاست کے مرہونِ مّنت تھا۔ اس وقت جناب مولوی ننھے خانصاحب جامع مسجد قافلہ کے امام تھے جو انتہائی شریف اور قابل انسان تھے اور اُن کی عوام میں بہت عزت تھی۔ دونوں رہنماؤں کے چہرے آفتاب کی مانند چمک رہے تھے، خود اعتمادی کے ساتھ ان کا سر بلند اور سینہ تنا ہوا تھا۔ لیکن جناب مولوی ننھے خانصاحب اور اُن کے ہمراہ بیٹھے شخصوں کے چہروں پر فکر و پریشانی کی لکیریں نمایاں تھیں۔ اُس وقت نواب

صاحب پاس والے کمرہ میں ریزیڈنٹ کی ضیافت میں مصروف تھے۔

اسی درمیان انجمن کے بہت سے اراکین ہمّت کر کے اپنے محلّوں سے نکل کر مہندی باغ کی پہاڑیہ کے دامن میں پہنچ گئے۔ اُن کی تقلید میں عوام بھی نِکل پڑے اور ہزاروں کی تعداد میں ٹونک کی غریب اور مفلس لیکن مخلص مخلوق نے پہاڑیہ کے دامن میں پہنچ کر اس پر چڑھنا شروع کر دیا۔ چند منٹوں میں ہی کوٹھی نمبر تین کے چاروں طرف عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آ رہا تھا۔ جگہ نہ ملنے پر لوگ اُونچی چٹّانوں اور درختوں پر بھی چڑھ گئے تھے۔ بڑی تعداد میں لوگوں کا پہاڑیہ پر چڑھ کر کوٹھی نمبر تین کو گھیر لینا کسی طے شدہ منصوبہ کے تحت نہیں تھا' یہ تو عوام کے دل و دماغ میں رواں جوش اور غصّہ کے باعث ہوا تھا۔ اتنے لوگوں کے آپس میں بات چیت کرنے سے کافی شور غل ہو رہا تھا۔ غالباً کسی نے اس کی اِطلاع اندر جا کر دی تو نواب صاحب باہر آ گئے اور اُن کے پیچھے پیچھے ہی ریزیڈنٹ بھی چلا آیا۔ باہر کا منظر دیکھ کر دونوں سکتے میں آ گئے۔ انگریز افسروں نے تو ایسے مناظر ہندوستان میں کہیں نہ کہیں دیکھے ہونگے لیکن ٹونک کے کسی نواب نے ایسا نظارہ کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ وہاں موجود سبھی حواس باختہ تھے۔ لیکن ریزیڈنٹ نے جلد ہی اپنے حواس خمسہ کو قابو کر خود کو سنبھال لیا اور کڑک کر پوچھا کہ یہ سب کیا ہے۔ کسی انگریز افسر نے اُسے کچھ بتایا۔ ریزیڈنٹ نے پوچھا کون ہے اِن کا لیڈر۔ اس پر دونوں رہنما آگے بڑھ کر کچھ کہنے ہی والے تھے کہ نواب صاحب جو اُس وقت ریزیڈنٹ کے نزدیک ہی کھڑے تھے فوراً جناب مولوی ننھے خانصاحب اور اُن کے ہمراہ شخصوں کی طرف اِشارہ کر کے بولے یہ ہیں عوام کے اس ہجوم کے لیڈر۔

جہاں اُس وقت یہ سب لوگ کھڑے تھے اس کے نزدیک بھی ایک درخت تھا جس پر

بھی بہت سے لوگ چڑھے ہوئے تھے اور اُن کی باتیں سُن رہے تھے۔ اُن لوگوں میں ایک نڈر اور بے باک شخصیت کے نوجوان جناب سیّد مظہر علی صاحب بھی تھے جنھوں نے ایک لمحہ ذائع کئے بغیر اس درخت سے چھلانگ لگا کر نواب صاحب اور ریزیڈنٹ کے نزدیک جا کر ہاتھ سے اِشارہ کر زور سے چِلّا کر کہا یہ ہیں ہمارے لیڈر منظور عالم اور حبیب الدین، اس پر نواب صاحب اک دم طیش میں آ کر بولے نہیں یہ لیڈر نہیں یہ تو غنڈے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہجوم معاملے کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تبھی جناب مظہر علی صاحب نے منظور عالم، حبیب الدین زندہ باد کا نعرہ بلند کر دیا۔ اور اُن کے ساتھ ہزاروں آوازیں بھی شامل ہوگئیں۔ نعروں کا شور اتنا بلند تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ فضا میں بلند ہوتے نعروں کی گونج کے سوا کچھ نہ تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے:

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے
بادلوں ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لئے

ریزیڈنٹ نے اپنے غصّہ کا اظہار کرتے ہوئے، وہاں موجود افسران اور عہدیداروں کو انگریزی میں بہت برا بھلا کہا اور دونوں سربراہِ انجمن کو ساتھ لے کر اندر کمرے میں چلا گیا اور بہت دیر تک تفصیل سے اُن کی بات سنی اور اُن کی تجویزوں پر جلد ہی عمل درآمد کا یقین دلایا۔

اس دوران نواب صاحب کمرہ کے باہر کرسی پر مغموم بیٹھے رہے۔ اُنھیں اپنے مصاحبین اور مشیروں پر رہ رہ کر غصّہ آ رہا تھا جن کی نامعقولیت اور نالائقی کے باعث انھیں بے عزّت اور شرمندہ ہونا پڑا۔ اور جو نہ صرف ان کی بلکہ مولوی ننھے خانصاحب کی بھی ذلّت و رسوائی کا سبب تھے۔ مولوی صاحب بھی بہت نادم تھے۔

اس جعفر وصادق گروہ کی سازش یہ تھی کہ وہ سربراہِ انجمن کو شر انگیز فسادی اور فتنہ پرداز بتا کر ریزیڈنٹ سے سرسری ملاقات کرا کر چلتا کر دیں گے اور مولوی ننھے خانصاحب اور ان کے ساتھ لائے گئے شہر کے معزز اشخاص کو عوام کا قائد اور نمائندہ بتا کر پیش کریں گے جو عوام کی فلاح و بہبود کے لئے نواب اور ریاست کے عہدیداروں کی جانب سے کیئے جارہے امدادی اقدامات کے قصیدے پڑھیں گے۔ لیکن، اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا۔ عوام کی جرأت اور دلیری نے ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دئے۔ فاسق وناقص اپنے سازشی جال میں خود ہی الجھ گئے۔ سربراہِ انجمن کی مہینوں کی کوشش وکاوش اور تربیت رائیگاں نہیں گئی۔ عوام کی جرأت اور دلیری دراصل منظور عالم صاحب کے ذریعہ نشستوں اور مجلسوں میں کی گئی درس وتدریس اور عوامی جلسہ میں دی گئی جوشیلی تقریر کا نتیجہ تھی:

تدبیر کے دست زریں سے تقدیر درخشاں ہوتی ہے
قدرت بھی مدد فرماتی ہے جب کوششِ انساں ہوتی ہے

ریزیڈنٹ سے لمبے مذاکرات کے بعد دونوں سربراہِ انجمن باہر آئے اور عوام کے پاس گئے۔ لوگوں نے پیڑوں اور چٹّانوں سے کود کود کر انھیں گھیر لیا۔ دونوں نے تفصیل سے سارے حالات عوام کو بتائے کہ ریزیڈنٹ نے ان کے مشورے مان لئے ہیں اور جلد ہی عمل آوری کا وعدہ کیا ہے۔ ایک بار پھر نعرہ تحسین بلند ہوا اور لوگوں نے دونوں کو کاندھوں پر اُٹھا لیا۔ نظر و دل میں تو عوام اُنھیں پہلے ہی بسا چکے تھے۔

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

انجمن رعایہ ٹونک اور اس کے بانی منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب کا چرچا اب ہر خاص و عام کی زبان پر تھا۔ منظور عالم صاحب کے دلائل اور ثبوتوں کو پرزور طریقہ سے پیش کرنے، قانون پر عبور حاصل ہونے اور بحث پر مغز ہونے کی وجہ سے ان کی وکالت بھی خوب چل پڑی تھی۔ ریزیڈنٹ نے آئی جی پولس اور دیگر عہدیداروں کی مزمّت کی۔ خفیہ شعبہ سے بھی جواب طلب کئے گئے اور اس کی سرزنش بھی کی گئی۔ نواب صاحب کو بھی حکومت کے اِنتظامات میں عوام اور اُن کے نمائندوں کی شمولیت کا مشورہ دیا۔ اس شرانگیز اور فتنہ پرداز گروہ کے کئی جعفر اور کئی صادق پہلے ہی معرکہ میں اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

جمہوریت کے لئے زمیں ہموار ہو چکی تھی۔ آگے بڑھنے کے لئے راہیں بھی آراستہ تھیں۔ انجمن اس زمیں پر ایک ایسی فصل کی زراعت وفلاحت کے لئے مستعد اور مربوط تھی کہ جس سے مفلس عوام کی تعلیمی، اخلاقی، معاشی اور اقتصادی محاذوں اور متعدد سطحوں پر متوازی ترقی اور ارتقاء ہو سکے۔ لیکن یہ سب اتنا آساں نہ تھا۔ اس زمیں پر کاشت کرنا بہت مشکل تھا۔

اس عظیم مظاہرہ کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ ٹونک میونسپلٹی کے پہلی بار انتخابات کرائے گئے۔ عوام کو ووٹ دینے اور اپنا نمائندہ منتخب کرنے کا موقع ملا۔ انجمن کے اُمیدواروں کو سبھی نشستوں پر فتح حاصل ہوئی۔ منظور عالم صاحب ٹونک کے پہلے چیئرمین منتخب ہوئے۔ عوام کی سہولت کے لئے پہلا بس اسٹینڈ قائم ہوا۔ میونسپلٹی کے پاس اختیارات برائے نام ہی تھے۔ نواب صاحب کے مشیر اور مصاحب اب ان کے لئے قابلِ اعتماد نہ تھے۔ نواب صاحب انجمن سے سیدھے مذاکرات کر کے ان کی معرفت عوام کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اُن کے

لئے اِس موذی اور فاصد حصار کو توڑنا آسان نہ تھا۔

تاہم ریاست وحکومت اور مجلسِ انتظامیہ کی بہتر کارکردگی کے لئے اُنھوں نے ایک اعلان جاری کر کے مجلسِ مشاورت قائم کی۔لیکن عہدیداروں نے اس مشاورتی کمیٹی کو بھی ایک رسمی کارروائی سمجھا اور اپنے معتقد چیلوں ومریدوں کو کمیٹی میں شامل کرلیا۔ اس پر سربراہانِ انجمن نے سخت مخالفت کی اور کمیٹی کی تشکیل پر اعتراضات اُٹھائے۔اُن کا مطالبہ تھا کہ کمیٹی میں وکیلوں کی بار اور ہر میونسپل بورڈ سے ایک ایک رکن اور ٹونک میونسپل کمیٹی سے دو رکن جس میں ایک مسلمان اور ایک ہندو ہو انتخابات کے ذریعہ لئے جائیں۔کاشت کار، پسماندہ طبقہ، اہلِ خاندان اور ریاست کے عہدیداروں سے ایک ایک رکن نامزد کئے جائیں اور کمیٹی کے مشوروں پر عمل آوری لازمی اور واجب التعمیل ہو۔ان کے یہ مطالبات تسلیم کئے گئے۔اس سلسلہ میں ۱۸؍دسمبر ۱۹۴۶ء کو مجلسِ انتظامیہ کے نائب صدر قادری صاحب کی طرف سے انگریز سیاسی نمائندہ کوک ویلس کو ایک خط لکھا گیا اور اُس کے بعد سربراہانِ انجمن کے مطالبات کے مطابق یکُم مارچ ۱۹۴۷ء کو گزٹ شائع کیا گیا۔

دھیرے دھیرے خفیہ شعبہ کے ارکان صدمہ سے باہر آگئے۔نواب صاحب سے دل وابستگی کی کوششیں کی گئیں۔اُن کے گرد محاصرہ تنگ کیا گیا اور ریشہ دوانی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔اُن کی مہم تھی کہ سربراہِ انجمن کسی طرح بھی نواب صاحب کے نزدیک نہ آنے پائیں نہ اُن کی ملاقات ہو اور نہ ہی ترسیل ومراسلہ۔ دونوں کے درمیان ایک خلا، ایک رخنہ قائم رہے۔اور وہ اس کوشش میں کامیاب بھی رہے۔ریاست کے خزانہ سے عہدیدار عوام کی امداد کے لئے ایک پھوٹی کوڑی بھی خرچ کرنا نہیں چاہتے تھے۔نواب صاحب کی ہدایت پر جو قدم

اٹھائے جاتے ان کی رفتار بہت سست ہوتی۔ محض نمائش اور دکھاوے کے لئے کام شروع ہوتے۔ عوام کی فلاح کا خواہاں کوئی نہ تھا۔

جناب شمس الدین خانصاحب ریاست میں ٹریزرار تھے اور نہایت مخلص انسان تھے۔ ریاست کے خزانہ سے کس مقصد کے لئے کتنی رقم نکالی گئی اور حقیقت میں کہاں خرچ کی گئی سب کچھ ان کے علم میں تھا۔ اُنھوں نے یہ اِطلاعات خفیہ طریقہ سے سربراہِ انجمن کو بذات خود فراہم کرنی شروع کردیں۔ اُن کی فراہم کردہ اِطلاعات کی چھان بین کر ثبوت جمع کئے جاتے اور جلسوں میں عوام کے سامنے رکھے جاتے۔ اور نواب صاحب سے مطالبہ کیا جاتا کہ وہ تحقیقات کرائیں اور اس بات کا پختہ انتظام کریں کہ خزانہ سے نکالی گئی رقم عوام کی امداد پر ہی خرچ کی جائے۔

اسی دوران سربراہانِ انجمن نے اجمیر جا کر انگریز سیاسی نمائندہ سے بھی ملاقات کی۔ کافی کوششوں کے باوجود خاطر خواہ نتیجہ برامد نہ ہونے پر ایک دن دونوں ریزیڈینٹ سے ملنے جے پور پہنچ گئے۔ بائیس گودام کے پاس جس عمارت میں آج کل ہوٹل راج محل پیلیس ہے اسی میں ریزیڈینٹ رہا کرتا تھا۔ اُن کی آمد کی اطلاع اندر بھجوا دی گئی۔ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ منظو عالم صاحب نے حبیب الدین صاحب سے کہا کہ کتنا لطف آئے اگر اس وقت نواب صاحب یہاں آجائیں۔ ابھی اُن کا جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ نواب صاحب کی کار محل میں داخل ہوئی۔ قدرت مہربان تھی اور فاسقوں و ناقصوں کے منصوبے خود بخود ناکام ہو گئے۔ نواب صاحب سے سربراہانِ انجمن کی یہ ملاقات بہت اہم تھی۔ تینوں کافی دیر تک بات کرتے رہے۔ نواب صاحب کی آمد کی اطلاع بھی اندر بھیج دی گئی۔ لیکن ریزیڈینٹ

نے پہلے سربراہانِ انجمن کو اندر بلوایا۔ گفتگو کا لمبا دور چلا۔ عوام کی بدحالی اور بربادی سے لے کر اُن کی ترقی اور خوش حالی کے لئے اُٹھائے جانے والے اِقدامات پر مباحثہ ہوا۔ مطالبات کو خوبصورتی کے ساتھ رکھا گیا۔ شک وشبہات کو رفع کیا گیا۔ اس پوری گفتگو سے ریزیڈینٹ نے اندازہ لگا لیا کہ سربراہِ انجمن بے لوث ایماندار اور دیانتدار انسان ہیں اور صرف عوام کی فلاح و بہبود کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اور ریاست کے چند حریص مفاد پرست عہدیدار نہ تو اپنا فرض ادا کر رہے ہیں اور نہ ہی عوام کی امداد کر رہے ہیں بلکہ انجمن کے کاموں میں بھی رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔

ریزیڈینٹ نے نواب صاحب کو اندر بلوا لیا۔ حالانکہ بعد میں بلوایا جانا انھیں گراں گزرا تھا' لیکن انھوں نے فراخ دلی کا ثبوت دیا اور مباحثہ میں شامل ہو کر سربراہانِ انجمن کی تمام باتوں سے اتفاق کیا۔ اور اصولی طور پر یہ طے کیا گیا کہ عوام کی امداد کی تمام ذمہ داری اور اِختیارات انجمن کے سپرد کئے جائیں۔ عوام کی ترقی اور خوش حالی کے لئے سربراہانِ انجمن کو مجلسِ انتظامیہ میں شامل کیا جائے۔ ریاست کے آئین اور دستور میں ضروری ترمیمات کر لی جائیں۔ بنیادی طور پر یہ بھی طے کیا گیا کہ مجلسِ انتظامیہ کے نائب صدر اور ہوم ممبر کا عہدہ سربراہانِ انجمن کو دیا جائے۔ سربراہانِ انجمن کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ریزیڈینٹ عوام کے حق میں اتنے اہم فیصلے کر دے گا۔ ریزیڈینٹ کے لئے اس طرح کا فیصلہ کرنا اب ناگزیر ہی تھا۔ ملک کے حالات تیزی سے کروٹ بدل رہے تھے۔ انگریز اپنا اثاثہ سمیٹ کر رفو چکر ہو رہا تھا۔ ملک آزادی کے کگار پر کھڑا تھا۔ انگریز حکومت ہندوستانی عوام کے حق میں منتقل ہونے والی تھی۔

سربراہانِ انجمن فتح اور کامرانی کے پرچم لئے ہوئے ٹونک پہنچے۔عوام کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ ہر شخص مسرور وشادمان تھا۔لیکن یہ شادمانی دائم نہ ہوسکی۔نواب سعادت علی خاں بیمار ہوگئے اور مئی ۱۹۴۷ء میں اُن کا انتقال ہوگیا۔نواب کی گدّی کے لئے فاروق علی خاں اور اِسمائیل علی خاں میں تنازعہ ہوگیا۔اور انجمن کو مجلسِ انتظامیہ میں شامل کرنے، ریاست کے آئین اور دستور میں ترمیم کا کام بستۂ خاموشی کی نظر ہوگیا۔منظور عالم صاحب کی قابلیت کو دیکھ کر فاروق علی خاں نے انھیں اپنا وکیل مقرر کیا۔انھوں نے دلائل اور ثبوتوں کو انگریز حکومت کے سامنے بااثر طریقہ سے رکھا۔فاروق علی خاں کے حق کو تسلیم کیا گیا، ان کو جائز حقدار قرار دیا گیا، جون ۱۹۴۷ء میں اُن کی گدّی نشینی کا اعلان کردیا گیا۔

ہندوستان آزادی کے ساتھ ساتھ بنٹوارے کی طرف بھی بڑھ رہا تھا۔ ہندو مسلم فسادات شروع ہوگئے تھے۔فسادیوں کے ہاتھوں برباد، زخمی، لٹے پٹے ہزاروں لوگ شہر ٹونک میں پناہ گزیں ہوئے۔انجمن نے سبھی پناہ گزینوں کی امداد کی۔ملک کے حالات بہت خراب تھے۔ ہر طرف بدحواسی اور پریشانی تھی۔مخلوق تذبذب اور عدم تعین کا شکار تھی کہ اُنھیں کس ملک میں رہنا ہوگا۔ایک طرف سیکڑوں پناہ گزیں روز ٹونک پہنچ رہے تھے دوسری طرف سیکڑوں باشندہ اپنی اِملاک اور جائیداد فروخت کرنے میں مصروف تھے۔لوگوں نے نقل مکانی شروع کردی۔افراتفری کا عالم تھا، لوگ حواس باختہ تھے۔

پورے ملک پر انگریز دو طریقوں سے حکمرانی کررہا تھا۔اول، ملک کے وہ سترہ صوبے جن کا نظم ونسق سیدھا حکومتِ برتانیہ کے پاس تھا۔دوئم، ملک کی وہ ریاستیں اور رجواڑے جن کا نظم ونسق نوابوں اور راجاؤں کے پاس تھا، لیکن اقتدارِ اعلیٰ حکومتِ برتانیہ کا تھا اور یہ اقتدار

ایک معاہدہ کے تحت قائم کیا گیا تھا۔شیطانی انگریزی ذہنیت حکومت کی منتقلی کے بعد بھی پورے ملک کو کمزور اور سیکڑوں حصّوں میں منقسم رکھنا چاہتی تھی۔حکومتِ برتانیہ نے ہندوستان کی آزادی کے لئے ایک قانون بنایا،اس قانون کے مطابق ہندوستان کو دو خودمختار حکومتوں انڈیا اور پاکستان میں تقسیم کیا گیا۔اس کے ساتھ ہی ریاستوں اور رجواڑوں سے کئے گئے معاہدوں کو منسوخ کرتے ہوئے اُنھیں یہ آزادی دی گئی کہ وہ پاکستان یا انڈیا کے ساتھ الحاق کریں یا اپنی خودمختار حکومت قائم رکھیں۔ریاست اور رجواڑوں کی تعداد تقریباً پانچ سو پینسٹھ تھی جو متّحدہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے علاقہ پر قائم تھیں۔سب سے پہلے جنوبی ہند کی ریاست ترینوکور نے خودمختار رہنے کا اعلان کیا۔اور اس کے بعد حیدرآباد، بھوپال، جودھپور اور جوناگڑھ بھی اسی راہ پر چل پڑے۔

اس درمیان کچھ ناتجربہ کار مشیروں نے نواب صاحب کو ریاست کے پاکستان میں الحاق کے لئے اکسایا اور اس کی شرائط طے کرنے کے لئے محمد علی جناح سے جاکر ملنے کے لئے راضی کرلیا۔منظور عالم صاحب نے نواب صاحب کو بہت سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے اور جناح سے جاکر ملے۔انھیں گمان تھا کہ جناح اُن کا زبردست خیرمقدم کریں گے۔لیکن جناح نہ تو اپنی کرسی سے کھڑے ہوئے نہ ہی نواب صاحب سے مصافحہ کیا۔نواب فاروق علی خاں صاحب شدید غصّہ میں واپس آئے اور پاکستان پر لعنت بھیجی۔

۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا مگر تقسیم کے گہرے صدمہ اور داغ کے ساتھ۔ ریاست ٹونک ہندوستان میں مدغم ہوگئی۔ہر طرف خوشیاں اور شادمانیاں تھیں۔سربراہِ انجمن اور اس کے اراکین کی بھی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔اب ملک پر عوام کی حکومت عوام کے ذریعہ عوام

کے واسطے قائم ہو چکی تھی۔لیکن ریاست کے عہدیدار اور نواب صاحب حیران و پریشان تھے کہ ریاست کا نظم ونسق اور بندوبست دیگر کام کاج کس طرح ہوں گے۔کیونکہ سرکاری خزانہ سے وہ اب ایک کوڑی بھی نہیں نکال سکتے تھے۔عوام کے خون پسینہ کی کمائی سے ہی ریاست کے خزانے بھرے گئے تھے۔لیکن اس میں سے مصیبت زدہ عوام کی اِمداد پر کچھ بھی خرچ نہ کیا گیا۔اب اُن خزانوں کے مالک اُس دولت کو خرچ کرنے سے محروم ہو چکے تھے۔

آزادی کے بعد ٹونک ریاست پر انگریزوں کا تسلط ختم ہو چکا تھا۔اس کی جگہ ہندوستان کی جمہوری حکومت نے لے لی تھی۔انگریزوں کے زمانہ میں حکومت کا نظم ونسق جو افسران سنبھال رہے تھے وہ بدستور قائم رہے۔ان میں اکثریت اُن افسران کی تھی جو قابل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے دل میں ہندوستان کی مفلس عوام کا درد بھی رکھتے تھے۔لیکن چند افسر قابل ہونے کے باوجود گندی انگریز ذہنیت سے آلودہ تھے۔اُنھیں ہندوستانیوں کی فلاح و بہبود کی کوئی فکر نہ تھی۔انگریزوں کے خروج کے بعد بھی وہ انگریزی دورِ حکومت کی روش پر ہی قائم رہے۔ایسے ہی ایک شخص تھے رام بابو سکسینہ جو متحدہ سول سروس کے ممبر تھے۔دورِ حاضر میں جنھیں آئی اے ایس کہتے ہیں۔جنوری ۱۹۴۸ء میں رام بابو سکسینہ کو ریاست ٹونک میں مہتمم اعلیٰ کے عہدہ پر فائز کیا گیا۔یہ شخص فاسد و ناقص، راشی اور متعصب تھا۔

نا اہل کو حاصل ہے کبھی قُوّت و جبروت
ہے خوار زمانہ میں کبھی جوہرِ ذاتی

نواب فاروق علی خاں کا اچانک انتقال ہو گیا۔نواب کی گدّی کے لئے پھر تنازعہ ہوا لیکن آخر کار ۱۱ر فروری ۱۹۴۸ء کو اسمٰعیل علی خاں گدّی نشیں ہوئے۔رام بابو سکسینہ ریاست

کے دیوان کے ساتھ مجلسِ اِنتظامیہ کے نائب صدر کے عہدہ پر بھی فائز ہوگیا۔نواب صاحب کو ایک خطیر رقم کی اشد ضرورت تھی۔انھوں نے سکسینہ سے چودہ لاکھ روپیہ سرکاری خزانہ سے دلوانے کی درخواست کی۔سکسینہ نے تین لاکھ روپیہ کی رشوت کے عوض میں صوبہ راجستھان کی وزارت سے منظوری لاکر دی۔نواب صاحب کو رقم قسطوں میں دی گئی۔دوسری قسط ملنے پر سکسینہ کو ڈیڑھ لاکھ روپیہ دیا گیا۔باقی رقم مل جانے پر نواب صاحب ٹال مٹول کرنے لگے۔سکسینہ نے انھیں دھمکایا کہ اس کے پاس واضع ثبوت ہیں کہ فاروق علی خاں کی موت فطری نہیں تھی' بلکہ مہلک زہر دئے جانے کا نتیجہ تھی اور اس جرم میں وہ بھی ملوث تھے اور یہ کہ ان کے خفیہ تعلقات آزاد کشمیر کے باغیوں سے بھی ہیں۔اس طرح سکسینہ نے دھمکا کر ایک لاکھ اور پھر پچاس ہزار یعنی پورے تین لاکھ روپیہ وصول کر لئے۔

سکسینہ ریاست پر سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔اس نے دونوں ہاتھوں سے ریاست کو لوٹا۔غریب مفلس عوام کی اُسے کوئی فکر' کوئی پرواہ نہ تھی۔جس نے بالجبر ریاست کے نواب کو لوٹا ہو وہ عوام کو کہاں خاطر میں لاتا۔وہ صرف سربراہانِ انجمن سے خوف زدہ تھا۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمّت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

وہ اُن سے اِس قدر خائف تھا کہ اُس نے ٹونک آنے کے فوراً بعد ہی سردار پٹیل کو اُن کے خلاف خط لکھنے شروع کر دئے اور صرف چھ ماہ میں چھپن خطوط لکھ دئے۔اس کا مقصد تھا کہ عوام کے نمائندوں بالخصوص سربراہانِ انجمن کو حکومت کے نظم ونسق سے دور رکھا جائے تا کہ اس کی بد دیانتی اور فریب کاری کے راز فاش نہ ہوسکیں۔اُس نے اپنے ماتحت افسران کو

بھی یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ جہاں تہاں، جابجا انجمن کے سربراہوں اور نمائندوں کی حوصلہ شکنی اور دل شکستگی کی جائے۔

دریں اثنا ایک صاحب کی لاپرواہی سے ایک بندر ہلاک ہوگیا۔ تحقیقات شروع ہوئی، وہ صاحب بہت گھبرائے۔ اُن کی طرف سے صفائی پیش کرنے کے لئے سربراہانِ انجمن نے ایک سرکاری افسر سے جو غالباً ایس ڈی ایم جیسے کسی عہدہ پر فائز تھے ملاقات کرنی چاہی لیکن اُس نے کئی دن تک اُنھیں وقت نہ دیا۔ بڑی مشکل سے اُس افسر کے ایک مصاحب کی توسل وتوسط سے ملاقات ہو پائی۔ افسر نے سربراہانِ انجمن کو بیٹھنے کے لئے بھی نہیں کہا اور سرسری طور پر ان کی بات سن کر دوسرے کام میں مشغول ہوگیا۔ چونکہ دل میں آزادی اور جمہوریت کی عزّت ووقعت تھی، اس لئے اُنھوں نے صبر وتحمل سے کام لیا۔ اگر چاہتے تو سیکڑوں ہزاروں لوگوں کے وفد کے ساتھ پہنچ کر اُس افسر کی سرزنش وسرکوبی کر سکتے تھے، لیکن اپنے ہی ملک، اپنی ہی حکومت میں کھیلے جارہے پسِ پردہ کھیل کو وہ بخوبی سمجھ رہے تھے۔

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبارِ شہر یاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سُلطاں پر نہیں ہے منحصر

سکسینہ انجمن کے خلاف صف آرا تھا۔ حکومتِ راجستھان اور مرکزی کابینہ بالخصوص سردار پٹیل کو بہکانے اور ورغلانے میں مسلسل مشغول رہتا تھا۔ دراصل وہ احساسِ کمتری کا بھی شکار تھا۔ وہ بس موقع کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ کسی بہانہ سربراہِ انجمن کو گرفتار کرکے

جیل میں ڈال دے۔لیکن وہ اس فاسد و ناقص شخص کے کہاں قابو میں آنے والے تھے۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

یکم مئی ۱۹۴۸ء کو ٹونک اور اُس کے پرگنے نیماھیڑہ، چھبڑہ، پڑاوہ اور علیگڑہ کا الحاق راجستھان میں اور سرونج کا الحاق مدھیہ پردیش میں کر لیا گیا۔حکومتِ راجستھان نے سکسینہ کو ٹونک کی اِنتظامیہ کا عہدیدارِ اعلیٰ بنا دیا اور اس عہدہ پر وہ ۳۱ جولائی تک فائز رہا۔لیکن رشوت کی بات چھپی نہ رہ سکی۔ نہ صرف اس کو پوری رقم واپس کرنی پڑی بلکہ اس پر استحصال یعنی ڈرا دھمکا کر بالجبر وصولی، دھوکہ بازی اور فریب کاری کا مقدمہ درج ہوا جس میں وہ گرفتار ہوا۔سردار پٹیل نے اپنے طریقہ سے بھی تحقیقات کرائی اور سکسینہ کو ہی گناہ گار پایا۔

منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب ہندوستان کی جنگِ آزادی کے سپاہی تھے۔انھوں نے انگریز حکومت اور اس کی ماتحت ریاست سے جمہوریت کے لئے دو سال تک جو جنگ لڑی وہ اپنی ہمت اور صلاحیت سے قائم کردہ ایک جمہوری جماعت انجمن رعایہ ٹونک کے بل بوتے پر لڑی۔ان کا مقصد عوام کی فلاح و بہبود کے سوا کچھ نہ تھا۔اگر چاہتے تو عوام کی بڑی تعداد جمع کر کے کوئی بھی مرتبہ حاصل کر سکتے تھے۔وہ عوام کے بے لوث اور مخلص خادم تھے۔عوام کی ترقی اور خوش حالی کے خواہش مند۔اور جنگِ آزادی کے سپاہ یعنی سوتنتر تا سینانی کے اعزاز کے مستحق تھے۔

عوام کو توقع تھی کہ ریاست کے آخری دنوں میں سربراہانِ انجمن کو مجلسِ انتظامیہ میں شامل کرنے کا جو فیصلہ کیا گیا تھا اس پر آزاد ہندوستان میں جلد عمل درامد ہو جائے گا۔لیکن جو

ہو رہا تھا وہ اس کے برعکس تھا۔ عوام انتظار کرتے رہے اور اُس کی مدت طویل ہوتی چلی گئی:

یہ عناصِر کا پرانا کھیل، یہ دُنیائے دُوں
ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمنّاؤں کا خوں!

قدرت سربراہانِ انجمن کے صبر و تحمل، ہمت و جفاکشی کا مزید امتحان لینا چاہ رہی تھی۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

ملّت و قوم کی امامت کا منصب بہت اہم اور عظیم ہے۔ اس منصب کو کسی خاص قوم، قبیلہ، طبقہ، معاشرہ، فرقہ اور نسل سے نہ تو مخصوص کیا جا سکتا ہے نہ ہی منسوب اور نہ ہی اس کو کسی کی میراث بنایا جا سکتا ہے۔ اللہ کے حضور میں کسی عربی کو عجمی پر، کسی گورے کو کالے پر رنگ و نسل کی وجہ سے کوئی فضیلت و مرتبت حاصل نہیں۔

اس عہدہ پر فائز کرنے اور اس مرتبہ سے سرفراز کرنے سے پہلے اللہ اُس شخص کو بے شمار آزمائشوں میں ڈالتا ہے اور ہزار ہا امتحان لیتا ہے۔ اس منصب کو وہ شخص حاصل کرتا ہے جو روشن خیال اور روشن ضمیر ہو، جسے حقائق سے آگہی ہو، جس کے عقائد درست و مضبوط ہوں اور اعمال پاکیزہ ہوں، جس کے علم و فہم، زہد و تقویٰ اور محنت و مشقّت کا معیار بلند اور اعلیٰ ہو، جو صحت مند و تندرست ہو اور پوری ملّت جس کی مقتدی ہو، جو آفت و مصیبت کے موقع پر امداد کے لئے پیش قدمی کرے، مرحلوں پر باگ ڈور سنبھالے اور ملّت کی فلاح و بہبود، ترقّی و خوش حالی کے لئے کوشاں رہے۔ اللہ، ملّت و قوم کی اِمامت کی یہ اہم اور عظیم ذمہ داری اُس شخص کے سپرد کرتا ہے جو دیندار ہو، پرہیزگار ہو، خداپرست ہو، مخلص ہو، صادق ہو اور امین بھی ہو۔

عالم بھی ہو فاضل بھی ہو۔ جو اپنے دل میں غریب مفلس عوام کا درد رکھتا ہو۔ جس کی ذات ملّت وقوم کی خدمت کے لئے موقوف ہو۔ جو حرکت وعمل، محنت ومشقت میں یقیں رکھتا ہو۔ اور جو روایتی زہد وتقویٰ اور ریاضت وعبادت تک محدود نہ رہ کر اپنے نیک مقاصد کی حصولیابی کے لئے جدوجہد اور مدافعت کرے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف، سینہ میں توحید کی امانت ہو اور جس کو اللہ کی ذات پر کامل یقین ہو۔ قوم کی امامت کا مستحق وہ شخص ہوگا جس نے ان خوبیوں کے ساتھ لمبی عمر گزاری ہو اور جو بخوبی سمجھتا ہے کہ جس قوم کی وہ پیشوائی کر رہا ہے اس کا وہ تنہا ضامن اور منصبی ذمہ داری کے لئے تنہا جوابدہ ہے۔ جو شخص اس ذمہ داری کو بخوبی بہتر طریقہ سے نبھاتا ہے اُس کو تمام مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اَجر ملتا ہے جبکہ مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اس لئے ملّت وقوم کی امامت کو 'امامت کبریٰ' کہا گیا ہے۔

جناب منظور عالم صاحب میں یہ سبھی خصائص موجود تھیں اور اُنھوں نے اپنی پوری زندگی انھیں صفات کے ساتھ گزاری۔ سیلاب ہو یا قحط، اُنھوں نے ہمیشہ خود پیش قدمی کر مصیبت زدگان کی مدد کے انتظامات باقاعدگی اور منظّم طریقہ سے اپنی نگرانی میں کرائے۔ فرقہ وارانہ فساد ہوں یا ملّت کے کسی طبقہ کی اندرونی خانہ جنگی، اُنھوں نے آگے بڑھ کر معاملات کی باگ ڈور سنبھالی۔ ظالموں کی سرکوبی اور مظلوموں کی امداد کی، مشکل اور دشوار مسائل کو اپنی ذہانت اور سوجھ بوجھ سے بہتر طور پر حل کیا۔ اُنھوں نے قوم کو متحد اور مستحکم رکھا اور ایک دوسرے کے لئے ایثار وقربانی کی تبلیغ کی۔

منظور عالم صاحب نے ۱۹۵۵ء میں ٹونک میں جدید تعلیم کے مراکز لڑکوں کے لئے

دارالمطعالہ اورلڑکیوں کے لئے بنات المسلمین قائم کئے۔ ۱۹۶۱ء میں جبل پور اور ساگر میں ہوئے فسادات پر وہاں جا کر کئی ہفتہ قیام کیا اور غریب مفلس عوام کی مالی اور قانونی امداد کی۔ ۱۹۶۴ء میں لکھنو میں ہندو مسلم اِتحاد اور مسلمانوں کی تعلیمی، معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے لئے قائم کی گئی مسلم مجلس مشاورت کو راجستھان میں قائم کیا اور کئی اِضلاع میں سیمینار اور اجلاس منعقد کئے۔ ۱۹۶۵ء علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے اقلیتی کردار کی بحالی کے لئے چلائی گئی تحریک میں جوش وخروش سے شرکت کی اور پورے راجستھان کا دورہ کر کے ملّت وقوم کو اِس مسئلہ سے روشناس کرایا۔ ۱۹۶۶ء ٹونک میں ایک عظیم دینی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں پورے ہندوستان سے تقریباً تین سو عالم وفاضل دانشور عُلما نے شرکت کی جس کی صدارت جناب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب نے فرمائی۔ اُنھوں نے آل اِنڈیا ملّی کونسل اور مسلم پرسنل لا بورڈ میں راجستھان کی نمائندگی کی۔ ۱۹۷۵ء میں ایمرجینسی کے نفاذ کے بعد غریب عوام پر ظلم وزیادتی کے خلاف احتجاج کرنے پر وہ اور حبیب الدین خانصاحب گرفتار ہو کر جیل بھی گئے۔ جیل میں اُن کے بہت سے متوکل تھے اور وہاں کے ملازمان اُن کے مداح ومعتقد۔ جیل میں اُن کا زبردست اِستقبال اور پزیرائی کی گئی۔ جب تک وہاں رہے ایک جشن ایک تہوار کا ماحول بنا رہا۔ جیل انتظامیہ کے افسران حیران وپریشان تھے۔ اور شہر میں ہر مذہب وملّت اور ہر سیاسی جماعت کے ارکان شدید غصّہ میں۔ غالباً اس کی رپورٹ اعلیٰ حکام کو پہنچی تو اُنھیں کچھ دن بعد ہی رہا کر دیا گیا۔

اس طرح منظور عالم صاحب ملّت وقوم کی فلاح وبہبود، ترقی اور خوش حالی سے متعلق ہندوستان کی ہر تحریک اور ہر تنظیم میں سرگرمِ عمل رہ کر ملک وعوام کی خدمت کرتے رہے۔

وہ اکثر اقبالؔ کے یہ اشعار ہمیں سناتے تھے:

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شائد کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدامست
یہ مذہب ملّا و جمادات و نباتات

اِن اشعار کا فلسفہ ان کی روح اوران کی فکر وسوچ کا جزو تھا جو حقیقی معنی میں ان کی شخصیت کی عکّاسی کرتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے علامہ حضرت احمد شہیدؒ کی شخصیت کے بارے میں لکھا ہے کہ : اُس دور میں ''ایسے شخص اور جماعت کی ضرورت تھی جو دین، علم اور صلاحیت کے اس سرمایہ سے وقت پر کام لے لے اوراس کو ٹھکانہ لگائے، جو خانقاہوں کا حال، اور درس گاہوں کا قال، وہاں کی حرارت، اور یہاں کی روشنی سارے ملک میں عام کردے، جس کے جلو میں چلتی پھرتی خانقاہیں ہوں، اور دوڑتے بھاگتے مدرسے، گھوڑوں کی پیٹھ پر عالم ہوں، اور محرابوں میں مجاہد، جو دلوں میں بجھتی ہوئی انگیٹھیاں دوبارہ دہکا دے، افسردہ دلوں کو ایک بار پھر گرما دے، اور ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک طلب اور دین کی تڑپ کی آگ لگادے، جو مسلمانوں کی خداداد صلاحیتوں کو ٹھکانے لگائے جس کی نگاہ دوررس اور جس کی ذات مسیحانفس، کسی بیکار چیز کو بیکار نہ سمجھے، جو امت کے ذخیرے کے ہر دانہ اور خیاباں

کے ہر تنکہ سے پورا پورا کام لے، جو شخص ان اوصاف کا جامع ہو، اس کو اسلام کی اصطلاح میں 'امام' کہتے ہیں، اور یہ مقام تیرہویں صدی ھ کے تمام اہل کمال اور مشاہیر رجال کی موجودگی میں سید صاحب کو حاصل تھا ''

علامہ حضرت احمد شہیدؒ کی شخصیت پر مولانا صاحب کی یہ تحریر جناب منظور عالم صاحب کی شخصیت کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ وہ توانائی اور عمل سے بھرپور ایک ایسی متحرک شخصیت کے مالک تھے جس کے جلوہ میں خانقاہوں کا حال بھی تھا اور درس گاہوں کا قال بھی، ان کی نگاہ دوررس اور ذات مسیحا نفس تھی، وہ درویش بھی تھے اور دوراندیش بھی، مدرسہ، مکتب اور کتب خانہ اس مبارک، پاک ہستی اور ان کے وجود کا جزو تھے۔ اللہ نے اُنھیں عوام اور قوم کی رہبری کے ساتھ ساتھ ملّت کی 'امامت' کی ذمہ داری بھی سپرد کی تھی۔

تونے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اَسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا اِمامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہُو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

رہبر ملت

جناب منظور عالم صاحب

اپنی زندگی کے اگلے ساٹھ سال یعنی ۱۹۴۸ء سے ۲۰۰۸ء تک لگاتار
صبر و تحمل کے ساتھ، پورے استحکام اور یکسوئی سے اپنے ماتھے پر شکن لائے بغیر
ملت و قوم کی تعلیم و ترقی اور خوش حالی کے لئے سرگرم عمل رہے :
اور ۲۲/ اکتوبر ۲۰۰۸ء کی شام عصر و مغرب کے درمیاں نہایت خاموشی سے اس دنیا کو
خیر باد کہہ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے

انا للہ و انا الیہ راجعون

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہؑ کے دریا میں ہونگے پھر گُہر پیدا
کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

☆☆☆

برٹش لائبریری لندن میں محفوظ دستاویز

آزادی کے بعد ہندوستان کی ہر ریاست ورجواڑوے کے لئے برٹش لائبریری لندن میں الگ الگ سیکشن قائم کر کے ان سے متعلق دستاویزوں کو محفوظ کر دیا گیا۔ ریاست ٹونک کے لئے بھی ایک سیکشن قائم کیا گیا۔ جناب منظور عالم صاحب کے سب سے بڑے فرزند ڈاکٹر مسرور عالم سہیل صاحب کی چھوٹی دختر ایمن عالم ہیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم مسقط میں ہوئی اس کے بعد انھوں نے اسٹیٹ یونیورسٹی امریکہ سے کیمیکل انجینئرنگ میں گریجویشن کیا۔ ڈاکٹر توصیف ناز کی صاحب سے شادی کے بعد وہ اُن کے ساتھ لندن سے ستّر میل کے فاصلہ پر واقعہ کول چیسٹر شہر میں رہتی ہیں۔

اُن کے دادا ابّو نے انھیں بھی ریاست کے دور کی تحریک کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ اپنے دادا ابّو کی تحریک سے متعلق دستاویزوں کی تلاش میں وہ کئی بار لندن گئیں اور لائبریری کے ٹونک سیکشن میں ہزاروں صفحات پر مشتمل سیکڑوں فائلوں کو پڑھا۔ کئی مہینوں کی لگاتار محنت ومشقّت کے بعد اُنھیں اپنے دادا ابّو اور اُن کی تحریک سے متعلق بہت سے دستاویز ملے جن سے بہت اہم اور مفید معلومات حاصل ہوئیں۔

ان میں سے چند دستاویز میری اس کتاب کی زینت بن رہے ہیں۔ ایمن عالم ناز کی کہتی ہیں کہ دستاویزات ملنے پر انھیں بے انتہا خوشی ہوئی اور جب وہ اُن دستاویزوں کو پڑھ رہی تھیں تو انھیں یوں محسوس ہوا جیسے دادا ابّو اُن کے پاس لائبریری میں موجود ہیں۔

The attached quiry relates to case F.I.R.No.121 dated 13.9.1946 under section 332/114/307 I.P.C. Police Station Kotwali,Tonk, in which Habibuddin Khan Vakil with 3 others were arrested as the culprits of the offence under reference. The complainant in the case (Faiyaz Buland alias Kala) reported the matter to the City Inspector I/c Kotwali,Tonk, on 13.9.1946 as below:-

At 10 a.m. to-day one Faiyaz Buland alias Kala S/o Iqbal Buland Khan resident of Kali Palton, an employee of Tonk Municipal Committee was on duty in his jurisdiction in Mohalla Kali-Palton. At that time Habibuddin Vakil, Zainul Abdin, Abdullah and Ahmad came there. Habibuddin told his companions that as Kala was against their movement and had beeb abusing them, so they should beat him. On this Abdullah and Ahmad atonce assaulted the complainant with sticks (Lathis) and Habibuddin caught him by the neck. Zainul Abdin kept standing without saying anything. He (Kala) however managed to get his neck out of the grip of Habibuddin and asked his nephew Haji who had come there by chance prior to the occurrance to call him, to bring a sword from his house lest they would kill him. On this Haji brought the sword instantaneously from his house which is situated at a distance of about 10 paces from the place of occurrance and handed it over to Kala who used it in his self defence inflicting two simple injuries on Abdullah, one on his thigh and the other on his palm. Then all the four accused took to their heels. Habibuddin with Zainul Abdin went into the house of his father-in-law, situated at a distance of about 6 paces from the place of occurrance and shut the door from inside. The occurrance was witnessed by seven prosecution witnesses.

This being a report of the cognizable case, the police registered the case and took up invetigation which was carried out by the Station Officer and the City Inspector under the direct supervision of the Superintendent of Police,Tonk. There being ample evidence against the accused they were arrested. There being not enough proof against Zainul Abdin to connect him with the assault so he was released on bail U/s 497 Cr. P.C. by the Police.

The accused under arrest were sent to the judicial lock-up on the same evening under order of the City Magistrate. On the night between 13th and 14th September,1946, Habibuddin accused was bailed out from Jail under orders of the Hon'ble Chief Judge,Tonk, passed by him on some

حبیب الدین صاحب کی گرفتاری بابت آئی جی پولس کی رپورٹ صفحہ۔۱

(14)

application put in by the defence counsil. After that his accomplices were also bailed out under his orders on a separate application by the accused.

Although the case was not of a political nature yet Habibuddin's party tried to give it a tinge of political colour so much so that they conveyned a meeting on the same night and they forcibly compelled the shopkeepers to close their shops who were not willing to do so. Thus there was every likelihood of the breach of the peace; but it due to the control and tactful handling of the situation by the Superintendent of Police and his Lieut. C.I.Hamid Ali Khan that no untoward thing happened.

On the evening of the arrest and on the morning following his release from Jail, the party of Habibuddin i.e. Manzoor Alam Vakil and others convened a meeting followed by a procession in which Habibuddin was carried on shoulders. In the meeting some persons including Habibuddin and Manzoor Alam Vakils made objectionable speeches regarding the "Hakumat" and its officers.

It may also be pointed out here that Habibuddin Vakil is a congressite and is an agitator against the State and the complainant belongs to the peace loving party which is against his views. The father of Habibuddin is a notorious seditious person who has constantly been in Jail for "Sedition". In order to take revenge of his father, Habibuddin Vakil is thus trying to spread such a poisoneous matter by his such activities in the State.

A cross case U/s 324 I.P.C. was also registered in the Police Station at the instance of Abdulla after the complainant of Kala. The investigation of this case was also in hand when Abdulla lodged a complaint in court also. This case is thus subjudice and the other case (in which Kala is complainant) is under investigation.

Inspector General of Police,
Tonk Raj.
27/9/46

حبیب الدین صاحب کی گرفتاری بابت آئی جی پولس کی رپورٹ صفحہ۔۲

Copy of resolution No.28,dated the 28th September,1946, passed at a meeting of the Bar Association,Tonk Raj.

.....

The General Meeting of the public convened by Messrs. Habibuddin and Manzoor Alam on the 26th September,1946,with the object of planning no confidence agitation against the Superintendent of Police,the Inspector General of Police and the Chief Justice and for instigating the public to co-operate in claiming that the services of the above three Officers should be dispensed with,which had a faint tinge of politics, was most an undesirable and unlawful meeting;and the Bar Association strongly condemn and confute this action of the conveners.

The Association fully trusts in the vast experience,the qualifications and the gentlemanliness of the present Chief Justice,Khan Bahadur Zamirul Islam Khan and appreciate his impartial and justful work and have every confidence in him.

The Bar Association are thankful to the Chief Justice for the appreciable work he has done so far and for his gentle treatment with the lawyers.His services have been quite satisfactory ever since he has joined this State.

.....

منظور عالم صاحب، حبیب الدین صاحب اور انجمن رعایہ ٹونک کے خلاف
وکیلوں کی بار سے ۲۸، ستمبر ۱۹۴۶ء کو منظور کرائی گئی قراردات

10/10

Copy of the resolution passed on 8th Oct. 1946 by the working committee of Anjuman-i-Tahafuz-i- Haquq-ul-Muslamin Tonk.

Resident
10 OCT. 1946

Resolved that:-

"We emphatically refute the claim of Anjuman-i- Rayaya-i-Tonk to be the sole representative of Tonk State public, and as such any demands on its behalf should not be taken as the demands of the public at large."

Sd. Mulana Barkat Ahmad
8.10.46. Secretary

D. No. 1403-P
10-10-46.

Copy forwarded to the Political Agent, with compliments, for information.

President

Dated, Tonk
9.10.46

The Anjuman-i-Tahafuz-i-Haquq-ul-Muslamin,
Tonk State

May be filed.
10.10.46. 10/10/46 v. separate

انجمن رعایہ ٹونک کی مخالفت میں انجمنِ تحفظ حقوق المسلمین کے ذریعہ ۹ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو منظور کرائی گئی قراردات جو انگریز ریزیڈینٹ اور سیاسی نمائندہ کو بھیجی گئی

19-A

13/10

Most Urgent.

Diary C.I.D. Governament Police, Delhi.

Are the initials undentifiable?

" TONK GOVERNAMENT BLIND AND DEAF."

* * * * * * * * *

D. No-1422-P
14.10.46

To

The Hon'ble Governor General

Rajputana, Ajmer.

Resident
13. OCT. 1946

Respected Sir,

I beg to bring the following to your kind notice that I have in Tonk State in search of the criminal under Section 320, while I minute- ~~ky observed~~ ly observed that the subjects of this State have become so ill-conditioned as the humane can not tolerate the sight of their difficalties and hardship which is due to the carelessness of the H.H. Tonk, who has been moving a very hopeless sociaty, in this hard times. It is noteable thing that some selfish attendances and aid de-camp whose names are as below, have totally seduced him of his subjects. Although the Public requested several times its greveinces but he did not take notice. If the present attendances and aid de-camps may be transported out of the Tonk State probably the Public may live at ease.

If your honour pays any heed ~~to the~~ towards the worst circumstances of the Public it may be alternated.

Names :-

1- Matin ullah Khan Minister of Law.
2- Iftekhar Ali Khan. Brother to H.H.
3- Sadat Ali Khan.
4- Wali Mohd. servant Masood Ali Khan Sahibzada.
5- Munshi Saeed Uddin.
6- Maqsood Ali Khan
7- Sdz. Hamid Saeed Khan.
8- Chamma Inspector Controll.
9- Machhoo Firozi wala.
10-Ateeq Ullah Khushnawis.
11- Molvi Mohd Yusoof Sodagar.
12- Bashir Mohd. Khan Sodagar.
13- Molvi Nanna.
14- Molvi Barakat.
15 Abdul Qaium S/o Abdul Shakoor Bat wala.
16- Abdul Shakoor Kamdar
17- Akbar Jamadar Commette.
18- Sultan Mohd. Bhai Jan.
19- Ahmed Ali Sup. Police
20- Ghansi City Head Constible bucther.
21- Inspector S/o Asghar Ali
22- Mehmood Perfumery Dealer.
23- Eid Mohd.Felter.
24- Mehmood Driver.
24- Modia Kali Paltan.
~~Ahmad Shah~~ Ahmed Shah Kalli wala.
26- Sabir Ali Jailor.
27- Hamid Ali Secretary.
28- Jagdish Brahman.
29- Hamid Husan Special Magistrate.
30- Khalil Double Roti wala.
31- Zafar Ahmed Tailor.
32- Mohd. Tahir.
33- Mohd. Sabir.
34- Molvi Abdul Ali Mufti.
35- Zahir Mian Hakim.
36- Abdul Rahman Jamadar to H.H.
37- Mohd. brother to Abdul Rahman Jamadar
38- Bhundoo Mian A.D.C.
39- Capt. Ilyas Khan with brother Sultan
40- Kala Iqbal Khan. Baland Aligarh
41- Nosha Subedar Paltan
42- Zamirul Islam Chief Justice.
43- Umer Hayat Khan.
44- Mazhar Ali Khan Gharat wali Haveli.
45- S/o Ahmed Ali Vakil.
Abdul Hafiz Driver.

51. Abdul Rahim Khan General Army.
52. Chief Medical Officer.

ٹونک کی اندھی بہری سرکار کے عنوان سے دہلی کے خفیہ شعبہ کے افسر کے ذریعہ گورنر جنرل
اور ریزیڈینٹ کو ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو بھیجی گئی رپورٹ اور غیر ذمہ دار عہدیداروں کی فہرست

D.O. No. 20.

54

Tonk-Rajputana
18.12.46

My dear Mr Coke Wallis,

You may perhaps recollect that I had informed you that the "Anjaman-i-Riayai Tonk" (which has now been registered as a Society in the State) had first refused to co-operate in the proposed Advisory Committee and had desired that the Committee should be appointed by election and a guarantee should be given that their recommendations would be accepted.

We had discussed the matter with them and I was successful in getting another Resolution from them on the 8th December, 1946, that on a reconsideration they desired that the Committee should consist of:-

> 1 member to be elected by the Bar and one member to be elected from amongst themselves by the members of the various municipal boards and Tonk Municipality should elect two (one Hindu and One Muslim).

They further suggested that the State might nominate one representative from amongst the Agriculturists, depressed class, Ahal-i-Khandan and officials. They also expressed their ~~suggestion~~ satisfaction on the assurance given by the Council that the recommendations of the Advisory Committee would be given due weight.

We now have discussed the matter at the Council and have passed a resolution according to which the Notification (copy attached) will now be issued for general information.

I think in this State we have ~~had~~ been more liberal than another States who have appointed Committees by nomination only, while in our case the majority is of elected members.

It is satisfactory ~~to know~~ that the Anjaman led by Messrs. Habibuddin Khan and Manzoor Alam have agreed to these proposals.

Yours Sincerely

Encl:- One

To

L.G. Coke-Wallis Esquire,
ICS; CIE.
Political Agent at Jaipur,
Jaipur.

مجلسِ مشاورت میں ارکان کی نمائندگی سے متعلق سربراہانِ انجمن کے مطالبات کے
سلسلہ میں انگریز سیاسی نمائندہ کو بھیجی گئی رپورٹ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۶ء

گھنٹہ گھر کے پیچھے واقعہ وہ عمارت جسمیں اُس دور میں سیشن کورٹ قائم تھی

محلّہ قافلہ کا میدان جہاں منظور عالم صاحب نے پہلے عوامی جلسہ کو خطاب کیا

پس منظر میں حبیب الدین خاں صاحب کا مکان

محلّہ مہندی باغ کے پاس پہاڑی پر واقعہ کوٹھی نمبر تین
جہاں سربراہانِ انجمن کی انگریز ریزیڈینٹ سے ملاقات ہوئی

انگریز ریزیڈینٹ کی قیام گاہ راج محل پیلیس جے پور

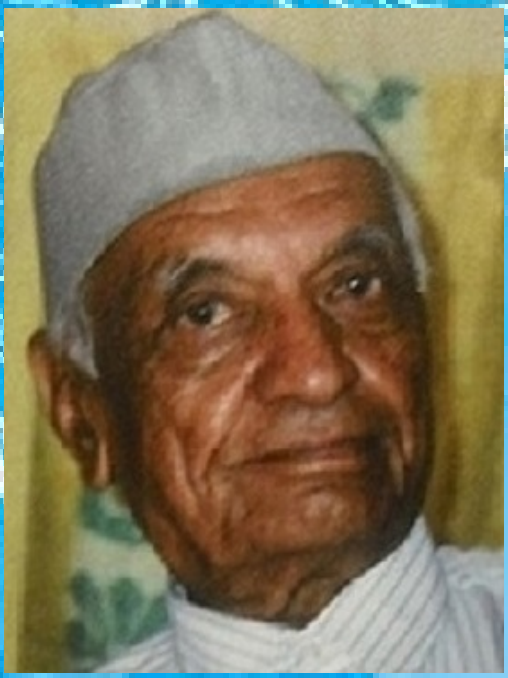

سہانی نمودِ جہاں کی گھڑی تھی ۔ تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی

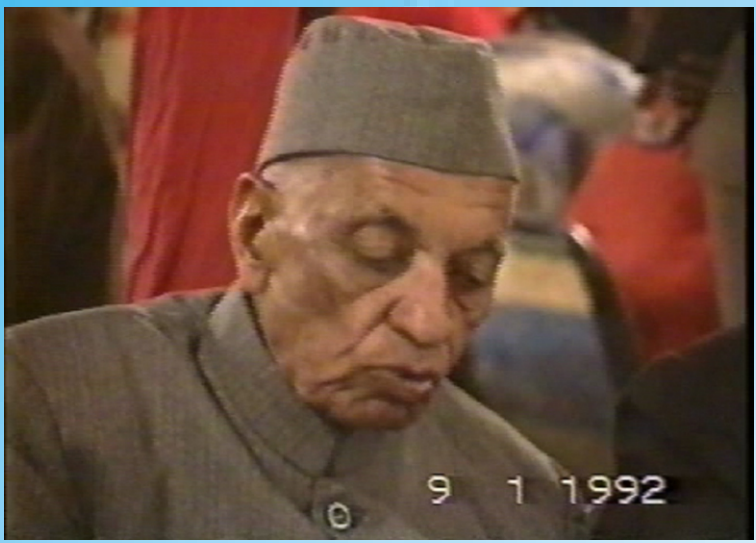

مطالعہ

غور و فکر

اندازِ بیاں نکتہءنظر

محبوب چچا اور دیگر وکلا کے ساتھ ایک تقریب میں

بارگاہِ الٰہی

انا للہ و انا الیہ راجعون

مذہبِ اِسلام اور فوجداری معاملات

بھائی میاں کو فوجداری اور دیوانی دونوں ہی معاملات پر مہارت حاصل تھی ۔ لیکن فوجداری معاملات میں اُن کا کوئی ثانی نہ تھا' اُن کے تقابل اور ہمسری کے لائق دور دور تک کوئی وکیل نہ تھا۔ دیوانی معاملات اِقتصادی نوعیت کے ہوتے ہیں یعنی زمین و جائیداد، تجارت و زراعت سے متعلق۔ جبکہ فوجداری معاملات انسان کے وجود' اُس کی زندگی اور آزادی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ضلع ٹونک میں ہر سنگین جرم کا ملزم اور ہر پیچیدہ مسئلہ میں مبتلا انسان عدالت میں پیروی کے لئے انھیں کی خدمات حاصل کرنے کو فوقیت دیتا تھا۔ ملزم کے لواحق پولس میں مقدمہ درج ہوتے ہی اُنھیں اپنا وکیل مقرر کر لیتے تھے۔ اُن کی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ پولس میں مقدمہ درج کراتے ہی مستغیث اُنھیں صرف اس لئے اپنا وکیل مقرر کر لیتے تا کہ وہ ملزم کے وکیل نہ بن سکیں۔ اس طرح ملزم کو اُن کی خدمات حاصل کرنے سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ دیہی علاقوں میں وہ 'عالم منجور' کے نام سے مشہور و مقبول تھے۔

ایک موقعہ پر میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک شخص مجرم ہے، آپ عدالت میں اس کی پیروی کیونکر کرتے ہیں۔ اُن کا جواب تھا کہ جب تک کسی شخص پر عدالت میں جرم ثابت نہ ہو جائے تب تک وہ صرف ملزم ہے مجرم نہیں۔ وہ ملزم سے کبھی یہ دریافت نہیں کرتے تھے کہ اُس سے کوئی جرم سرزد ہوا بھی ہے یا نہیں، ویسے بھی اُن کو وکیل تو ملزم کے لواحق ہی مقرر کرتے تھے' کیونکہ ملزم یا تو فرار ہوتا تھا' یا پولس کی گرفت میں۔

اس طرح ملزم سے کچھ بھی دریافت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ تھانے پر درج کی گئی رپورٹ اور پولس کے ذریعہ عدالت میں پیش استغاثہ کی حقائق کی بنیاد پر اور مروجہ قوانین کی روشنی میں ہی ملزم کی پیروی کرتے تھے۔

میری ایل ایل بی کی تعلیم کے دوران قانونی دفعات کی وضاحت اور پیچیدہ قانونی مسائل کا حل چھٹیوں میں بھائی میاں ہی کیا کرتے تھے' اور یہ سلسلہ پولس کی نوکری میں آنے کے بعد بھی جاری رہا۔ بین الاقوامی قانون میں ملزم کی تحویل ایک ملک سے دوسرے ملک میں کرنے سے متعلق بھی ایک مضمون ہوتا ہے۔ اس مضمون میں ریاست ٹونک میں مہتمم اعلیٰ کے عہدہ پر فائز کئے گئے رام بابو سکسینہ کو بحیثیت ملزم ریاست نینی تال سے ریاست ٹونک کی تحویل میں دئے جانے سے متعلق مقدمہ کا بھی حوالہ تھا۔ تب میرے استفسار پر بھائی میاں نے رام بابو سکسینہ کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا۔

بھائی میاں قانون کے ہر نکتہ کو بہت باریکی سے سمجھاتے تھے۔ اور قانونی نکتہ سے متعلق ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کی نظیریں بھی پڑھنے کے لئے دیتے تھے۔ دیوانی اور فوجداری دونوں ہی طرح کے قوانین پر اُن کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ مقدموں سے متعلق سبھی مِسلیں اردو زبان میں تیّار کی جاتی تھیں۔ عدالت میں پولس کے ذریعہ پیش اِستغاثہ کا ہندی سے اردو میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔ مرحوم امین صاحب، جو بہت لائق اور شریف انسان تھے' بھائی میاں کے پاس منشی تھے۔ ہمارے گھر میں اُن کی حیثیت خاندان کے رکن کے مساوی تھی۔

میری ایل ایل بی کی تعلیم کے دوران ہی جناب ڈاکٹر سید ظفر محمود صاحب کا تقرر علی گڑھ میں بحیثیت اسسٹنٹ کمشنر انکم ٹیکس ہوا۔ تب اُنھوں نے مجھے مقابلہ کے اِمتحانات میں

شرکت کرنے کی ترغیب دی اور حوصلہ افزائی بھی کی۔ تعلیم مکمل کر کے میں نے کچھ عرصہ تک بھائی میاں کے پاس رہ کر وکالت سیکھی۔ وکیلِ دفاع کی حیثیت سے ملزم کو سزا سے بچانے اور عدالت سے ملزم کو باعزّت بری کرانے کے لئے پولس استغاثہ کی باریکی سے چھان بین کی جاتی اور تفتیش میں رہی خامیوں کو تلاش کیا جاتا تھا۔ وکالت کے ساتھ ساتھ میں مقابلہ کے اِمتحانات کی تیّاری بھی کرتا رہا۔

بیشک بھائی میاں کی خواہش تھی کہ میں وکالت کروں لیکن مقابلہ کے اِمتحانات میں شرکت سے اُنھوں نے مجھے کبھی منع نہیں کیا' بلکہ میری کامیابی کے لئے دعاؤں کے ساتھ تمام سہولتیں فراہم کیں۔ میرے آر پی ایس میں منتخب ہونے پر بھائی میاں بہت خوش تھے۔ لیکن کبھی کبھی اُن کی آنکھوں میں غم کی پرچھائی بھی نظر آتی۔ میں ایک دوراہے پر کھڑا تھا۔ ایک طرف بھائی میاں کی خواہش تھی تو دوسری طرف پولس کی جگمگاتی جھلملاتی شاندار نوکری۔ لیکن بھائی میاں نے مجھے پولس فورس میں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ وہ بخوبی سمجھتے تھے کہ عدالت سے انصاف ملنے میں اک عمر گزر جاتی ہے جبکہ پولس فی الفور انصاف کر سکتی ہے۔

پولس فورس میں شامل ہونے کے بعد میرا نظریہ یکسار بدل گیا۔ اب تمام توجہ گہرائی سے تفتیش کر کے پختہ ثبوت جمع کرنے اور ملزم کے خلاف ایک مضبوط استغاثہ عدالت میں پیش کر کے اسے مجرم قرار دینے پر رہنے لگی۔ چونکہ اب نقطہ نظر میں تضاد تھا اس لئے مجرموں کے طرزِ عمل' جرم کرنے کے طور طریقے' مجرمانہ واقعات سے لے کر جرم و سزا پر لمبے مباحثے ہوتے۔ دریں اثناء ایک دن ہندوستان میں مروّج فوجداری قانون اور مذہبِ اسلام بحث کا موضوع بنے اور دونوں کا موازنہ کیا گیا۔

فوجداری سے متعلق تین اہم قانون ہیں۔ اول-'تعزیراتِ ہند' جس میں مختلف قسم کے جرائم اور سزا کی اصطلاح اور وضاحت کی گئی ہے' اُن کے مفہوم اور معنی بتائے گئے ہیں۔ دوئم-'ضابطہ فوجداری' جس میں جرم کا ارتکاب ہونے پر پولس میں رپورٹ درج ہونے سے لے کر تفتیش اور عدالت میں سماعت کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ سوئم-'قانونِ شہادت'۔

ہندوستان میں رائج اِن قوانین کے مطابق جرم تین طرح کے ہیں۔ اول-سنگین جرم: جیسے قتل' ڈکیتی' رہزنی' جعل سازی وغیرہ۔ اس قسم کے جرائم کے عدالت میں ثابت ہونے کے بعد کوئی معافی نہیں ہے۔ یعنی یہ جرم نا قابلِ معافی ہیں۔ دوئم - کچھ کم سنگین جرم: جیسے دھوکہ' فریب' غبن' شدید چوٹ' چوری وغیرہ۔ اس قسم کے جرائم کا شکار مظلوم اگر ملزم سے صلح کرتا ہے اور اُس سمجھوتہ سے عدالت بھی اِتفاقِ رائے کرتے ہوئے رضامندی کی مہر ثبت کرتی ہے تو جرم کو معاف کیا جاسکتا ہے۔ سوئم-معمولی نوعیت کے جرم: جیسے معمولی چوٹ' بے جا مداخلت' مختصر وقت کے لئے حسبِ بے جا وغیرہ۔ اس قسم کے جرائم' فریقین میں صلح ہونے پر معاف کئے جاسکتے ہیں اور عدالت کی رضامندی کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

اسلام میں بھی گناہ تین قسم کے ہیں۔ اول-شرک: یعنی اللہ کی ذات میں کسی کو شریک کرنا۔ یہ گناہ نا قابلِ معافی ہے۔ جو شخص خدا کی ذات سے انحراف کرے اُس کی خدائی، اُس کی وحدت کو تسلیم نہ کرے وہ کسی معافی کے لائق بھی نہیں ہے۔ دوئم-عبادت میں کوتاہی اور لاپرواہی: یعنی وقت پر پابندی سے نماز ادا نہ کرنا روزے نہ رکھنا وغیرہ۔ یہ وہ گناہ ہیں جنھیں صرف خدا ہی معاف کرسکتا ہے۔ اللہ تو غفور الرحیم ہے نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ سوئم-خدا کی بنائی ہوئی مخلوق یا بے جان شے کے خلاف کئے گئے گناہ۔ اس قسم کے گناہوں

کی فہرست بہت لمبی ہے۔ روز حشر تمام آزردہ، مجروح ومظلوم چاہے وہ ذی روح ہو یا بے جان شئے، گناہ گار انسان کا دامن پکڑیں گے اور انصاف کا تقاضہ کریں گے۔ اُس انسان کے گناہ تبھی معاف ہونگے جب وہ آزردہ، مجروح ومظلوم ذی روح یا بے جان شئے اُس گناہ گار انسان کو معاف کرے۔

ہندوستان میں رائج فوجداری قانون اور مذہبِ اسلام میں بیان کئے گئے گناہوں کے موازنہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ گناہوں کی تین قسمیں ہیں۔

اول- ناقابلِ معافی گناہ۔ دوئم- وہ گناہ جنھیں صرف اللہ ہی معاف کرسکتا ہے یا جو مظلوم سے صلح ہونے پر عدالت کی رضامندی سے معاف کئے جاسکتے ہیں۔ سوئم- وہ گناہ جنھیں مجروح ومظلوم یا آزردہ ہی معاف کرسکتا ہے۔

پھر بھائی میاں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ عبادت میں کوتاہی اور لاپرواہی کو تو اللہ ہی معاف کرے گا۔ لیکن باقی گناہوں کی معافی تو مجروح ومظلوم یا آزردہ سے ہی مانگنی ہوگی۔ اس قسم کے گناہوں کے ہم ہر روز مرتکب ہوتے ہیں اور اِن کی فہرست بہت طویل ہے۔ ہم اپنے ماں باپ، بہن بھائی، اولاد، رشتہ دار، پڑوسی اور ہم وطنوں کے لئے مقرر فرائض کو پورا نہیں کرتے بلکہ اُن کی حق تلفی کرتے ہیں۔ جھوٹ، فریب، بے ایمانی، جعل سازی، غبن اور خیانت جیسے گناہوں کا روز اِرتکاب کرتے ہیں۔ دل آزاری کرنا ہمارا معمول بن چکا ہے۔ کسی کو حقیر سمجھنا اور حقارت سے دیکھنا بھی گناہ ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی بربادی ہماری عادت میں شمار ہوچکی ہے۔ اسلام میں اُکڑوں بیٹھ کر کھانا کھانے کی ہدایت اس لئے کی گئی تاکہ پیٹ کا ایک تہائی حصّہ خالی رہے۔ اور کھانے کی جو اشیاء بچ جائیں وہ

دوسروں کے کام آئیں۔ اگر ہم ایک بالٹی پانی سے نہا سکتے ہیں تو اس سے زائد پانی بہانا بھی گناہ ہے۔ جتنی ضرورت ہو اتنے ہی جانور ذبح کئے جائیں۔ اپنے شوقِ شکار کی تسکین کے لئے بے شمار بے زبان جانور ہلاک کرنا بھی گناہ ہے۔ یہ بھی گناہ ہے کہ ہم خدا کی بنائے ہوئے خوبصورت چرندوں پرندوں کو بلا وجہ ہلاک کر کے ناپید کر دیں اور آنے والی نسلیں اُنھیں دیکھنے سے محروم ہو جائیں۔ یہ بھی گناہ ہے کے ہم جنگلوں، پہاڑوں اور ندیوں کو نیست و نابود کر دیں اور آنے والی نسلیں قدرت کے ان خوبصورت مناظر اور ان کی افادیت سے محروم ہو جائیں اور جس کی وجہ سے قحط اور خشک سالی کا سامنا کرنا پڑے۔ آب و ہوا کو اس طرح نجس و ناپاک اور آلودہ کرنا کہ صحت اور زندگی متاثر ہو گناہ ہے۔

آج ہر حکومت عوام سے درخواست کرتی ہے کہ پانی بچاؤ بجلی بچاؤ۔ آج ندیوں، پہاڑوں اور جنگلات کو بچانے کے لئے کتنی تحریکات چلائی جا رہی ہیں۔ چرندوں پرندوں کی حفاظت کے لئے کئی قانون بنائے گئے ہیں۔ اِن کا شکار کرنا، اِن کی کھال، دانت اور جسم کے دیگر حصّوں کو فروخت کرنے کے لئے اُنھیں ہلاک کرنا، اُن کی تحویل و توقیف، یہاں تک کہ اُنھیں پالنے کے شوق کی تسکین کے لئے اِن بے زبانوں کو قید کر اُن کی آزادی ختم کرنا بھی جرم قرار دئے گئے ہیں۔ لیکن اِسلام میں تو یہ قوانین ہزاروں سال پہلے سے موجود ہیں۔ ہمارے ملک کے بہت سے قانون اِسلامی قواعد و ضوابط کے مماثل اور قرآن و حدیث کی تعلیم کے عین مطابق ہیں۔

لیکن مذہبِ اسلام میں جرم و سزا سے متعلق چند معاملات ہمارے ملک میں ہی نہیں بلکہ دنیا میں رائج سبھی فوجداری قوانین سے مختلف ہیں۔ اس دنیا میں بے شمار مجرم سزا سے محض

اس لئے بچ جاتے ہیں کہ مظلوم و آزردہ کسی جبر، مجبوری، دباؤ یا مصلحت کی وجہ سے یا مجرم کے بارسوخ اور بااثر ہونے کی وجہ سے نہ احتجاج کرتا ہے اور نہ ہی کہیں شکایت درج کراتا ہے اور خاموشی سے ظلم و زیادتی کو برداشت کرتا رہتا ہے۔ کبھی جرم اتنی احتیاط سے کیا جاتا ہے کہ اس کا کہیں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ کبھی مجرم جھوٹی و کمزور شہادت کی بنا پر، کبھی فرضی دستاویز پیش کر کے، کبھی تفتیشی خامیوں اور پولس استغاثہ کے نقص کے باعث پولس کی گرفت سے بچ جاتا ہے یا عدالت سے بری ہو جاتا ہے۔ لیکن خدا کے حضور میں، اُس عدالتِ عالیہ میں نہ تو احتجاج کی ضرورت ہوگی نہ ہی شکایت درج کرانے کی، کسی کا کوئی جرم، کوئی گناہ پوشیدہ نہ ہوگا، کوئی جھوٹی شہادت کوئی فرضی دستاویز کام نہ آئے گا، نہ تفتیش ہوگی اور نہ استغاثہ۔ اُس عدالتِ عالیہ میں تو صرف احکامِ جرم سنائی جائیگی اور پھر فیصلہ صادر ہوگا اور سزا کا تعیّن۔

عدالت میں جرم ثابت ہونے پر ملزم کو مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن سزا کا تعیّن کرتے وقت اس پر بھی غور کیا جاتا ہے کہ وہ شخص جرم کا مرتکب کیونکر ہوا۔ اِرتکابِ جرم کا محرّک کیا تھا، اس کا ارادہ، نیت اور مقصد کیا تھے۔ جرم کرتے وقت اس کی عمر، اس کی ذہنی کیفیت کیا تھی۔ اس کا ماضی، اس کا کردار اور چال چلن، غرض یہ کہ اُن تمام حالات اور وجوہات پر جن میں اس سے جرم سرزد ہوا تھا غور کرنے کے بعد ہی سزا کا تعیّن کیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں اس کے لئے علیٰحدہ سے قواعد وضوابط وضع کئے گئے ہیں جن کے تحت ان تمام حالات و وجوہات پر غور وخوض کے بعد کسی مجرم کی سزا میں کمی یا بیشی کی جاسکتی ہے۔ اور یہ قواعد وضوابط بھی کم و بیش اِسلامی قوانین کے مماثل ہیں۔ کیونکہ روزِ حشر ہر انسان کے گناہ وثواب ترازو میں تولے جائیں گے۔ اُدھر دوزخ و جنّت میں داخلہ ترازو کے پلڑے پر منحصر ہوگا۔ بیشک گناہ گار انسان

کی سزا کا تعیّن ہمارے ملک میں وضع کئے گئے قواعد وضوابط کی طرح ہی تمام حالات اور وجوہات کی روشنی میں کہیں زیادہ باریک بینی سے کیا جائے گا۔معافی اور سزا کی بنیاد انسان کا اعمال نامہ ہوگا اور سزا کی مدّت وشدّت کے اِضافہ اور تخفیف کا بھی۔

روزِ محشر ہمارا دامن پکڑنے والوں کی تعداد اتنی کثیر ہوگی کہ دامن ہی نہیں دامن کے کپڑے کے ریشہ بھی کم پڑ جائیں گے۔اللہ بھی عبادت میں کی گئی کوتاہی کو تب ہی معاف کرے گا جب انسان کا اعمال نامہ نیکیوں سے بھرا ہو۔

دنیاوی قوانین اور علم فقہ سے متعلق یہ باریکیاں رہبر ملت نے ہمیں خوب خوب سمجھائیں۔

☆☆☆

رہبرِ ملّت 'منظور عالم'

از: ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی
سابق ممبر پارلیمینٹ (راجیہ سبھا) نئی دہلی

ہندوستانی مسلمانوں کی یہ بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ ہر دور میں انہیں ایسے مخلص، قائد ملتے رہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اور اپنی ساری صلاحیتیں ان کی خدمت اور فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دیں۔ ایسے ہی مخلص قائدین میں منظور عالم صاحب تھے جن کے ناقابل فراموش کارنامے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

راقم السطور کی یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ اس سے ان کی قرابت ہوگئی یعنی میری چھوٹی بیٹی سارہ کا عقد ان کے لخت جگر عزیزی محمود عالم طارق سے ہوگیا۔ اس قرابت کے قائم ہونے سے پہلے ہی ملّی تحریکوں میں ان کی خدمات کی بنا پر ان سے نہ صرف واقفیت تھی بلکہ ان سے شرفِ ملاقات بھی حاصل تھا۔ ان کے آبا و اجداد مجاہد اعظم حضرت سیّد احمد شہید کے جانثار ساتھیوں میں تھے۔ ان میں سے بعض نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان حضرات کی مجاہدانہ اسپرٹ منظور عالم صاحب میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ زبردست قوتِ ارادی کے مالک تھے، حمیت دینی کے پتلے تھے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کا علمی ذوق بہت بلند تھا۔ بچپن ہی سے انہیں جنون کی حد تک علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ ان کے اس شوق کو دیکھ کر ان کے والد نے جو اُس زمانہ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ نیما ہیڑہ میں رہتے تھے،

انہیں ٹونک بھیج دیا جہاں انہوں نے اپنی نانی کے یہاں رہ کر میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج اجمیر سے بی اے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے 1942 میں ایل ایل بی کیا اور ٹونک میں وکالت شروع کی۔ اُس زمانہ میں ریاست ٹونک کا اپنا ہائی کورٹ تھا۔ منظور عالم صاحب پہلے لاگر یجویٹ وکیل تھے۔ ان کو وکالت شروع کئے ہوئے چند مہینے ہی ہوئے تھے کہ جج نے ان سے مجسٹریسی کی جگہ پر درخواست دینے کو کہا، لیکن انہوں نے اس سے انکار کیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیت سے اپنی وکالت کا لوہا منوالیا اور ان کا شمار لائق اور قابل وکیلوں میں ہونے لگا۔ وہ علمی ذوق کے مالک تھے۔ انہوں نے قرآن مجید، تفسیر، احادیث، اسلامی تاریخ، خلفائے راشدین کی سوانح حیات اور علامہ اقبالؔ کی شاعری کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ملنے والوں سے ہمیشہ اس کی تلقین کرتے تھے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کریں اور اپنے حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کریں۔

1945 میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا اور ان کے کندھوں پر دو چھوٹے بھائیوں اور تین بہنوں کی کفالت اور تعلیم کی بھاری ذمہ داری پڑی۔ انھوں نے بڑی خوش اسلوبی سے ان ذمہ داریوں کو پورا کیا۔ چھوٹے بھائیوں کو تعلیم دلوائی اور بہنوں کی شادیوں سے سبکدوش ہوئے۔ ریاست کے عوام کی فلاح اور بہبود کے لیے اپنے کو وقف کر دیا۔ 1945 کی برسات میں ٹونک میں زبردست طوفانی بارش ہوئی اور سینکڑوں مکان زمیں بوس ہوگئے۔ یہی حال دکانوں کا بھی ہوا۔ مکانوں اور دُکانوں کا سارا سامان گلیوں اور سڑکوں پر آ گیا۔ منظور عالم صاحب نے اپنے دوست اور ساتھی حبیب الدین خاں جوان کے ساتھ وکالت کرتے تھے، پورے شہر ٹونک کا جائزہ لیا۔ پائینچے چڑھا کے لوگوں کا سامان جوان کو

سڑکوں اور گلیوں میں ملا، مالکوں کے حوالے کیا اور بارش سے متاثرہ افراد کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک مفصل اسکیم تیار کی اور ان کے ساتھ نوجوانوں کی ایک ٹیم بھی ان کا ہاتھ بٹانے کے لیے میدان میں آ گئی۔ بارش کے بعد بیماریوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ مکانوں کی تعمیر، لوگوں کا علاج و معالجہ، ان کے کھانے پینے اور ذریعہ معاش کا انتظام یہ بڑے اہم مسائل تھے جن کو منظور عالم صاحب اور ان کی ٹیم اپنے محدود وسائل کی وجہ سے حل نہیں کر سکتے تھے، انھوں نے اور ان کے رفقا نے ریاست کے عہدہ داروں سے زبانی اور عرض داشتوں کے ذریعہ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے زور دیا اور کوشش کی کہ ریاست کے حکام لوگوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ضروری اقدامات کریں۔ لیکن بدقسمتی سے ان کی کوششوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ منظور عالم صاحب نے لوگوں کو اس کی تلقین کی خاص طور سے اپنے ساتھیوں کو کہ وہ مسائل کو حل کرنے کے لیے جدوجہد کریں اور میدان عمل میں آئیں۔ ان کی قیادت میں ٹونک کی مطلق العنان حکومت کے استبداد کے خلاف جدوجہد شروع ہوئی، اس زمانے میں ریاست کا نظم ونسق چلانے کے لیے ایک مجلس انتظامیہ تھی جس کے صدر خود نواب تھے اور نائب صدر جس کا تقرر ریزیڈنٹ کرتے تھے اور دوسرے وزرا بھی تھے جو نواب صاحب کے معتمد اور رشتہ دار تھے۔ لیکن اصل میں ریاست کے جملہ اختیارات نائب صدر کے ہاتھ میں تھے۔ خفیہ پولیس کا محکمہ بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس طرح سے عملاً ریاست کا سارا نظم و نسق نائب صدر کے ہاتھ میں تھا۔ حکومت کے استبداد کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کو پختہ مکان تک بنانے کی اجازت نہ تھی۔ اس وقت ایک بڑا ہی نااہل اور سازشی ذہن کا مالک نائب صدر تھا۔ اس نے چاپلوس منسٹروں اور عہدہ داروں کا ایک پورا گروہ تیار کر لیا تھا۔ اس گروہ کے ذریعے

نواب صاحب کو منظور عالم صاحب اور حبیب الدین خاں صاحب کے خلاف ورغلایا اور ان دونوں پر یہ الزام لگایا کہ وہ ریاست ٹونک کے عوام کو بغاوت کے لیے آمادہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ حبیب الدین صاحب کو گرفتار کیا گیا۔ اس کے خلاف منظور عالم صاحب کی قیادت میں بڑا زبردست احتجاجی جلوس نکلا اور اس وجہ سے حبیب الدین خاں صاحب کو رہا کیا گیا۔ ریزیڈنٹ نے ان دونوں حضرات سے جے پور میں ملاقات کی اور ان کے سارے مطالبات تسلیم کیئے اور یہ سب نواب صاحب کی موجودگی میں ہوا۔ ٹونک میں پہلی بار میونسپلٹی قائم ہوئی اور منظور عالم صاحب اس کے چیئرمین ہوئے۔ نائب صدر کو برخاست کیا گیا اور ان کے چاپلوسوں کو جو ٹونک کے عوام کی لیڈر رہونے کا دعویٰ کرتے تھے، کی زبردست شکست ہوئی۔

اس طرح سے منظور عالم صاحب نے مطلق العنانی کو ختم کیا اور ٹونک میں جمہوریت کی فتح ہوئی جس کے قائد منظور عالم صاحب تھے۔ عوام کی تعلیم و ترقی اور خوش حالی منظور عالم صاحب کی زندگی کا مقصد تھا۔ انھوں نے لڑکوں کے لیے دارالمطالع اور لڑکیوں کے لیے بنات المسلمین جو جدید تعلیم کے مرکز تھے، قائم کیئے۔ انہوں نے اپنی اولاد کو قابل رشک تعلیم و تربیت دی۔ وہ ہر ایک کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

وہ اپنے کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔ اس مردِ حق آگاہ و بطل جلیل کی قابل رشک زندگی اقبالؔ کے اس شعر کا مکمل نمونہ تھی :

یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

☆☆☆

والدہ کی سرپرستی اور بہن بھائیوں کی خدمات

اَمتُ السّلام

ہمارے والد جنھیں ہم دادا بھائی کہتے تھے ریاست ٹونک میں کسٹم آفیسر تھے۔ بھائی میاں ہم بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ دادا بھائی نے بھائی میاں کا نام منظور عالم کسی بزرگ سے پوچھ کر رکھا تھا، اور یہ تاریخی نام ہے۔ یعنی منظور عالم کے حروف کے ہندسوں کو جمع کرنے پر کل میزان اُن کی سنِ پیدائش ۱۳۳۷ھ ہوتا ہے۔ ہماری مرحومہ والدہ جنھیں ہم بی کہتے تھے بتاتی تھیں کہ جب دادا بھائی نے پہلی بار بھائی میاں کو اپنی گود میں لیا تو خدا جانے اُن کی روشن جبیں پر کیا دیکھا کہ اُن کا تاریخی نام رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بعد ازاں دو چھوٹے بھائیوں کی پیدائش پر اُن کے نام بھی عالم کے ساتھ محبوب عالم اور سعید عالم رکھے گئے۔ اور اب سبھی بچوں کے نام عالم کے ساتھ ہی رکھے جاتے ہیں۔ اس لئے ہم عالم خاندان کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ اس طرح بھائی میاں عالم خاندان کے بانی ہیں۔

۱۹۳۱ء میں بھائی میاں مزید تعلیم حاصل کرنے ٹونک چلے گئے۔ اُس وقت میری عمر غالباً چار سال تھی۔ اُن دنوں دادا بھائی نیماہیڑہ میں تیعنات تھے جو ٹونک ریاست کا ہی پرگنہ تھا۔ ہم بہن بھائی ہمارے والدہ اور والد کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ بھائی میاں کے جانے کے بعد ہمیں بہت اکیلا پن محسوس ہوا۔

ذہین اور ہوشیار ہونے کی وجہ سے بھائی میاں کو جلد ہی وظیفہ ملنا شروع ہو گیا۔ تعلیم اور دیگر مصارف کے لئے دادا بھائی اُنھیں جو رقم بھیجتے وہ اسے بچا کر ہمارے لئے تحفہ لاتے تھے

اورتحفوں میں زیادہ تر کتابیں ہوتی تھیں۔وہ بی کے لئے جدید قسم کے برتن بھی لایا کرتے تھے۔ان کے چھٹیوں میں آنے کا ہم سب بڑی بے صبری سے اِنتظار کیا کرتے تھے۔

۱۹۴۲ء میں بھائی میاں نے اپنی تعلیم مکمّل کر کے ٹونک میں وکالت شروع کی۔اُسی سال میری بڑی بہن محترمہ طیّبہ خاتون کی شادی ہوئی تھی۔۱۹۴۴ء میں ہم بہن بھائی اور بی ٹونک آ کر بھائی میاں کے ساتھ رہنے لگے۔اُن دنوں ہم عبدالقیوم خاں کی حویلی کے بالائی منزل پر رہا کرتے تھے۔اپنی تعلیم کی وجہ سے بھائی میاں تقریباً تیرہ سال ہم سب سے دور رہے۔اُن کے ساتھ آ کر رہنے سے ہم سب بہت خوش تھے۔دو چھوٹے بھائیوں کے علاوہ میری دو چھوٹی بہنیں اَمتُ الباقی اور زہرہ تھیں۔

۳ر مئی ۱۹۴۵ء کو بھائی میاں ایک مقدمہ کے سلسلہ میں سرونج گئے جہاں اُنھیں ایک ہفتہ قیام کرنا تھا۔دادا بھائی اُن دنوں لٹیری میں تھے۔بھائی میاں نے ذریعہ تار اپنے پروگرام کی اِطلاع دادا بھائی کو بھیج دی تھی۔۶ر مئی کی شام بھائی میاں کو خبر ملی کہ دادا بھائی کی طبیعت ناساز ہے۔دادا بھائی ۲۸ر اپریل سے ہی سخت بیمار چل رہے تھے۔لیکن اُنھوں نے اپنی بیماری کی اِطلاع ہمیں نہیں دی۔۷ر مئی کو صبح چار بجے بھائی میاں سرونج سے لٹیری روانہ ہو گئے لیکن اُن کے لٹیری پہنچنے سے کچھ دیر پہلے دادا بھائی اِنتقال فرما گئے تھے۔بھائی میاں جب واپس آئے تو اُن کا چہرہ اور آنکھیں لال سُرخ ہو رہی تھیں۔اس سے پہلے کہ بی کچھ پوچھتیں وہ اُن سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگے۔اُنھیں روتا دیکھ ہم سب بہن بھائی بھی رونے لگے۔بی دلاسہ دے دے کر پوچھتی رہیں کہ کیا ہوا۔بہت دیر تک بھائی میاں کے منہ سے کوئی الفاظ نہ نکلے پھر بس اتنا کہا دادا بھائی نہیں رہے۔یہ سن کر ہم سب پر قیامت ٹوٹ پڑی،

بی نے آنکھیں بند کرلیں۔ ایسا لگا جیسے بے ہوش ہوکر گر جائیں گی۔لیکن اُنھوں نے ایک ہاتھ سے بھائی میاں کوسنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے ہم سب کو لپٹا لیا۔ پھر ہم سے الگ ہوکر وضو کیا اور مصلّےٰ پر بیٹھ گئیں،نماز ادا کر کے بہت دیر تک قرآن شریف کی تلاوت کی اور سجدہ میں رو رو کر اللہ سے دعا کرتی رہیں۔

اس دن بھائی میاں نے ہم سب کو اپنی بانہوں میں اس طرح سمیٹ لیا کہ اُن کی زندگی کے آخری لمحوں تک ہمیں باپ کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ اُن کے سینے سے لگ کر ہمیں یتیم ہونے کا احساس جاتا رہا۔حقیقت میں تو ہم بھائی میاں کے اِنتقال پر ہی یتیم ہوئے۔

اُس سال ٹونک میں بہت سخت بارش ہوئی سیلاب آ گیا۔ بھائی میاں غریب عوام کی اِمداد میں جُٹ گئے۔وہ بی کو سارے حالات بتاتے۔اُن کے کام سے بی بہت خوش تھیں۔اُنھوں نے ریاست کے عہدیداروں کوفرض کی ادائیگی کا احساس دلایا تو وہ اُن کے دشمن ہو گئے۔ ریاست سے جھگڑہ مول لینا بہت خطرناک تھا۔ بھائی میاں نے بی کو سارے حالات بتائے اور اُن کی رضامندی جاننی چاہی۔ بی نے چند لمحہ سوچا اور کہا کہ راہِ خدا میں مفلسوں کی حمایت بے خوف وخطر ہوکر کرو۔اور سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔

بھائی میاں ہر کام بی کی اجازت اور خوشنودی کے ساتھ ہی کرتے تھے۔اُس کے بعد تو بھائی میاں نے غریبوں کی خدمت وحمایت میں جی جان ایک کر دئے۔صبح جلدی اُٹھ کر مقدموں کی پیروی کی تیّاری کرتے اور عدالت کے بعد عوام کے امدادی کام، جو دیر رات تک جاری رہتے۔ بھائی میاں جب تک گھر نہ آ جاتے بی کھانا نہیں کھاتی تھیں اور مصلے پر قرآن کی تلاوت کرتیں یا تسبیح لے کر وظیفہ پڑھتی رہتیں۔اُن کے آنے پر بی اُنھیں ہمیشہ گرم چپاتی

کھلاتیں۔ بھائی میاں کہتے تھے آبِ خنک نان گرم۔

مفلس عوام کی اِمداد کے بہانے ریاست کے خزانہ سے خرچ کی جارہی دولت اور دیگر معلومات شمش الدین صاحب فراہم کیا کرتے تھے جو بہیر میں رہتے تھے۔ چونکہ وہ ریاست میں ٹریزرار تھے اس لئے بھائی میاں سے ملاقات خفیہ طور پر کیا کرتے تھے۔ بھائی میاں اکثر اُن سے ملنے رات میں پرانی ٹونک سے قبرستان کے پیچھے والے راستہ سے ہوکر جاتے تھے۔ واپسی پر جب بہت دیر ہوجاتی تو میں، محبوب میاں، سعید میاں، امت الباقی اور زہرہ بی چھت پر جاکر سنسان اندھیرے راستوں کو تکتے رہتے۔ اور جب بھائی میاں آتے ہوئے نظر آجاتے تو بھاگ کر نیچے آکر بی کو بتاتے۔ انجمن رعایہ ٹونک کی تشکیل اسی چھت پر ہوئی تھی۔ شہر کے سیکڑوں افراد جمع ہوئے جنھوں نے بھائی میاں کو اپنا قائد منتخب کیا تھا۔

بھائی میاں ٹونک سے متعلق خبریں ہم سے یا انجمن کے اراکین سے لکھوا کر ہادی اخبار کے لئے علی گڑھ دستی بھجواتے تھے اور وہاں سے اخبار آنے پر محبوب میاں شہر کی مختلف مساجد کے باہر کھڑے ہوکر خاموشی سے نمازیوں میں اخبار تقسیم کرآتے' کیونکہ اس طرح کی خبروں کے اخبار تقسیم کرنے پر گرفتار ہونے کا خطرہ تھا۔ پیغام رسانی کے بھی سارے کام محبوب میاں ہی انجام دیتے تھے۔ محبوب میاں کی عمر اُس وقت صرف تیرہ سال تھی۔ حالانکہ انجمن کے اراکین اُن کی نگرانی پر مامور رہتے تھے۔ لیکن جب تک وہ جواب لے کر یا اخبار تقسیم کر کے واپس نہ آجاتے بھائی میاں فکرمند رہتے تھے۔

انجمن کا ایک جلسہ پرانی ٹونک میں میاں جی کے چوک میں منعقد ہوا تھا۔ سعید میاں جن کی عمر اُس وقت غالباً سات سال اور زہرہ بی جو اس وقت چار سال کی تھیں نے اس جلسہ

میں اقبال کی نظم اُٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو پڑھی تھی۔ میں نے اور بی نے کئی روز تک دونوں کو مشق و ریاضت کرائی اور نظم یاد کروائی تھی۔ دونوں نے جلسہ میں وہ نظم بہت اچھی طرح پڑھی تھی۔

جب حبیب الدین صاحب کو گرفتار کیا گیا تو بھائی میاں نے بی کو بتایا اور صلاح و مشورہ کیا۔ بی نے کچھ دعائیں پڑھ کر پھونکیں، سر پر ہاتھ رکھا اس کے بعد بھائی میاں گھر سے نکل پڑے۔ بی نے محبوب میاں کو بھی اُن کے پیچھے بھیجا۔ اور خود قرآن کی تلاوت کرتی رہیں دیر رات حبیب الدین صاحب کی رہائی کی اِطلاع ملی تو بی نے نماز شکرانہ ادا کی۔

شہر میں طرح طرح کی افواہیں پھیلتیں۔ کبھی یہ کہ نواب نے توپ خانہ کو حکم دے دیا ہے کہ اگر بھائی میاں کوئی جلسہ منعقد کریں تو اُنھیں جلسہ میں ہی توپ سے اُڑا دیا جائے۔ کبھی یہ کہ گھر کی خادمہ کو نواب نے بھائی میاں کو زہر دینے کے لئے رکھوایا ہے۔ مہینوں اُس خادمہ کی حرکات و سکنات کی نگرانی ہم سب باری باری کرتے۔ لیکن بی نے اُس خادمہ کو کچھ بھی کہنے کے لئے سختی سے منع کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ غلط اور جھوٹی افواہوں کے باعث اُس کی دل آزاری ہو۔ خادمہ کے بنائے کھانوں کی پرکھ کرنے کے لئے ہم گھریلو چڑیوں اور بلیّوں کو کھانا کھلا کر گھنٹوں اُن کی نگرانی کرتے رہتے۔

ان افواہوں کی وجہ سے ہم ڈرے سہمے رہتے۔ لیکن بی کی ہدایت کے مطابق بھائی میاں پر اپنے خوف کا اِظہار نہ ہونے دیتے تاکہ بھائی میاں کو کوئی ذہنی پریشانی نہ ہو اور عوام کے اِمدادی کاموں میں خلل نہ پڑے۔ لیکن جا بجا جب شہر کے باشندے منظور عالم اور حبیب الدین زندہ باد کے نعرہ بلند کرتے تو ہمارے دل کو قرار آتا اور ایسا لگتا جیسے پورا شہر

ہماری پہریداری پر مامور ہے اور حفاظت کے لئے مستعد ہے۔

ملک آزاد ہوا، ریاست کا دور ختم ہوا۔ جب ہر طرف امن و امان قائم ہو گیا تب بی نے ۷/ اپریل ۱۹۴۸ء کو بھائی میاں کی شادی جناب نصیر محمد خاں کی دختر بیگم بدرالنساء سے کی۔ شادی پر مبارک باد دینے والوں کا تانتا تھمتا نہ تھا، پورا شہر اُمڈ کر آ گیا تھا۔ آخر یہ اُن کے ہر دل عزیز قائد، اُن کے رہنما اور اُن کے رہبر کی شادی تھی۔

☆☆☆

لاؤڈ اسپیکر صاحب

سید لیاقت علی

میرے والد مرحوم جناب سیّد مظہر علی صاحب بچپن سے ہی بے خوف بے جھجک اور صاف گو انسان تھے۔ حق بات کہنے میں قطعی گریز نہیں کرتے تھے۔ منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب نے ریاست کے دور میں عوام کی ترقی اور خوش حالی کے لئے جو تحریک چلائی تھی اس کے بہت سے واقعات وہ ہم بہن بھائیوں کو بڑے جوش و خروش سے خوش ہو کر سناتے تھے۔

اس تحریک کی ایک مجلس محلّہ باؤڑی پر ہوئی تھی جو غالباً اُس تحریک کی پہلی مجلس تھی۔ محلّہ کے سو پچاس باشندگان کے ساتھ میرے والد صاحب نے بھی شرکت کی تھی۔ منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب کی تقریریں سن کر وہ اتنے متاثر ہوئے کہ شہر میں تحریک کی ہونے والی مجلس کا علم ہونے پر اس میں شرکت ضرور کرتے تھے۔ تحریک سے متاثر ہونے والے افراد کا حلقہ بڑھنے پر انجمن رعایہ ٹونک قائم کی گئی۔ میرے والد اس انجمن کے سرگرم کارکن تھے۔ جب حبیب الدین صاحب کو گرفتار کیا گیا تو میرے والد صاحب سیکڑوں لوگوں کے ساتھ اُن کے گھر پہنچے جہاں منظور عالم صاحب نے ہزاروں افراد کے ایک عظیم جلسہ کو خطاب کیا۔ منظور عالم صاحب کی پر جوش تقریر سے وہاں موجود مجمع اتنا برانگیختہ تھا کہ جیل توڑ کر حبیب الدین صاحب کو آزاد کرانے پر تیّار تھا۔ عوام کے غم و غصّہ کو دیکھتے ہوئے حکومت کو حبیب الدین صاحب کو دیر رات جیل سے رہا کرنا پڑا۔

حبیب الدین صاحب کی رہائی کے بعد سے انجمن کے حوصلے بہت بلند ہو گئے تھے۔ منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب جے پور کے انگریز افسروں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں تھے۔ انجمن کے جلسہ بھی اب کھلے عام منعقد ہونے لگے تھے۔ ان جلسوں میں عوام کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ مقررین کی آواز سب لوگوں تک نہیں پہنچ پاتی تھی۔ میرے والد صاحب لاؤڈ اِسپیکر کے انتظام کے لئے جے پور گئے۔ ریاست کے اُس دور میں سبھی کام بڑی خاموشی اور رازداری سے کیئے جاتے تھے کیونکہ انجمن کے کاموں میں ریاست کے افسران رخنہ ڈالتے اور پابندیاں عائد کرتے رہتے تھے۔ جے پور کے انگریز ریزیڈینٹ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جارہی تھی اور ساتھ ساتھ ایک بڑا عوامی جلسہ منعقد کرنے کی تیّاری چل رہی تھی جس کے لئے لاؤڈ اِسپیکر کا اِنتظام کیا جارہا تھا۔ انتہائی رازداری کے باوجود یہ دونوں باتیں خلط ملط ہوکر نواب صاحب تک اس طرح پہنچی کہ انجمن ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کر رہی ہے جس میں لاؤڈ اسپیکر نام کے کسی انگریز کو مدعو کیا گیا ہے۔ فوراً ریاست کے افسران کو احکامات جاری کئے گئے کہ لاؤڈ اسپیکر صاحب کو انجمن کے جلسہ میں نہیں پہنچنے دیا جائے اور اُنھیں عزت واحترام کے ساتھ محل نظر باغ میں لایا جائے۔ جلسہ کے دن صبح سے ہی بناس ندی کے پل پر پولس کے ساتھ چند ماتحت افسر تیعنات ہو گئے۔ اُس دور میں کاروں میں یا تو نواب صاحب سفر کرتے تھے یا انگریز۔ اُس دن جے پور کی طرف سے کوئی کار آئی ہی نہیں۔ پولس اور ماتحت افسر سارا دن انگریز 'لاؤڈ اسپیکر صاحب' کی باٹ جوتے رہے۔ ٹونک میں ایک بڑا جلسہ عام منعقد ہوا اور اس میں پہلی بار لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہوا۔ شام کو نواب صاحب کو بتایا گیا کہ انجمن کے جلسہ میں بڑی تعداد میں لوگ جمع

ہوئے اور اس میں لاؤڈ اسپیکر صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔اس پر نواب صاحب بہت برہم ہوئے اور اپنے افسران کو سخت سست، نااہل اور ناکارہ کہا۔اس واقعہ میں ہوسکتا ہے مبالغہ سے کام لیا گیا ہو لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹونک کے نواب اور مخلوق کس قدر معصوم اور سادہ لوح تھے۔

والد صاحب بتاتے تھے کہ اُنھیں جب یہ خبر ملی کہ ریزیڈینٹ ٹونک آنے والا ہے تو وہ بہت خوش تھے۔منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب بارش سے تباہ و برباد غریب عوام کی فہرست بنانے اور اُن کی ترقی اور خوش حالی کے لئے اُٹھائے جانے والے اقدامات کو قلم بند کرنے میں دن رات مصروف رہتے تھے۔والد صاحب اور انجمن کے دیگر اراکین بستی بستی، گھر گھر جا کر برباد ہوئے لوگوں کے نام پتہ اور اُنھیں ہوئے نقصان کا تخمینہ بنا کر لاتے۔جس دن ریزیڈینٹ کی آمد ٹونک میں ہونی تھی اُس روز والد صاحب صبح جلدی ہی گھر سے نکل پڑے اور شہر میں انجمن کے اراکین سے رابطہ قائم کیا۔سبھی نے طے کیا کہ انھیں بھی مہندی باغ کی پہاڑی پر واقعہ کوٹھی نمبر تین پر چل کر دیکھنا چاہئے کہ وہاں کیا ہوتا ہے۔شہر میں پولس کے بڑے سخت انتظامات تھے۔اس لئے یہ پروگرام بنایا کہ عام راستوں کو چھوڑ کر گلیوں سے چھپتے چھپاتے پہاڑی کے نزدیک پہنچا جائے۔

حالانکہ منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب کی طرف سے اُنھیں اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں تھی۔یہ تو خود اُن کا اشتیاق و تجسس تھا جو اُنھیں اس منظر کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کے لئے پہاڑی کی طرف کھینچ رہا تھا۔اور جب انجمن کے اراکین اپنی بستیوں سے نکل کر چھپتے چھپاتے پہاڑی کی طرف بڑھے تو اُن کی تقلید میں سیکڑوں ہزاروں لوگ بھی ان کے

پیچھے چل پڑے۔اُن کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگ اپنے گھروں سے نکل پڑیں گے۔دراصل یہ عوام کا اُن کے قائد اُن کے رہنماؤں کے لئے جذبہ عقیدت تھا۔لوگ محلّہ شورگران اور باؤڑی کی طرف سے مہندی باغ کی پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے اور آہستہ آہستہ پہاڑی پر چڑھنے لگے۔والد صاحب اپنے کئی ساتھیوں کے ہمراہ سب سے آگے تھے۔اور پھر وہ تیزی سے پہاڑی پر واقعہ کوٹھی نمبر تین کے برآمدہ کے پاس ایک بڑے درخت پر چڑھ گئے۔اسی برآمدہ میں اُن کے قائد دوسرے بہت سے لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے حیرت سے تیزی سے بڑھ رہے مجمع کو دیکھ رہے تھے۔جب ریزیڈینٹ نے پوچھا کہ اِن کا لیڈر کون ہے اور نواب صاحب نے مولوی ننھے خانصاحب اور دیگر لوگوں کو لیڈر بتا کر پیش کرنا چاہا تب والد صاحب کہتے تھے کہ اُس وقت اُنھیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی برق ان کے جسم میں سرایت کرگئی ہو۔اُنھوں نے فوراً درخت سے چھلانگ لگائی اور دوڑ کر ریزیڈینٹ کے سامنے پہنچ کر دونوں حضرات کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا، یہ ہیں ہمارے لیڈر 'منظور عالم حبیب الدین' اور جب اُنھوں نے دونوں حضرات کے حق میں زندہ باد کا نعرہ بلند کیا تو پوری پہاڑی منظور عالم حبیب الدین زندہ باد کے نعروں سے گونج اُٹھی۔والد صاحب کا یہ فعل اِنتہائی خطرناک تھا۔اُنھیں گرفتار بھی کیا جاسکتا تھا۔لیکن وہ باہمّت اور بے باک انسان تھے۔

منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب بے مثال بلند اور عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ساٹھ سال پہلے کے اس واقعہ کو وہ ہمیشہ یاد کر کے کہتے تھے کہ مظہر صاحب کے حوصلہ اور جرأت کی بدولت ہی اُنھیں عوام کا نمائندہ اور قائد تسلیم کیا گیا تھا۔

جمہوری نواب

محمد احمد خاں عرف پیارے میاں
جائنٹ سیکریٹری انجمن خاندانِ امیریہ ٹونک

آزادی کے بعد ریاست ٹونک کو ہندوستان میں شامل کرلیا گیا۔ ریاست ٹونک کے پانچ پرگنوں میں سے علیگڑہ، نیما ہیڑہ، پڑاوہ اور چھبڑہ راجستھان میں اور سرونج مدھیہ پردیش میں شامل کئے گئے۔ ٹونک اور علیگڑہ کو ضلع ٹونک میں شامل کیا گیا۔ اس وقت جناب اسمٰعیل علی خاں ٹونک کے نواب تھے۔ ریاست کا پریوی پرس دو لاکھ اٹھتّر ہزار روپیہ تھا۔ حالانکہ ریاست کی حکمرانی ختم ہوچکی تھی لیکن نوابی دور کی شان وشوکت برقرار تھی۔ محل نظر باغ کے سات دروازوں پر پولس کے گارڈ رہتے تھے۔ نواب صاحب نے ریاست کی روایتوں کو برقرار رکھا تھا۔ رمضان کے ماہ میں افطار اور سحری کے وقت توپ داغی جاتی تھی۔ عیدالفطر کے دن نواب صاحب کے غسل کرنے، کپڑے بدلنے، سوئیاں کھانے، عیدگاہ کے لئے روانہ ہونے اور پہنچنے غرض یہ کہ ہر موقعہ پر توپ داغی جاتی تھی۔ عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ میں ہی اونٹ کی قربانی کی جاتی تھی۔ بارہ وفات پر سات دن تک محل نظر باغ میں عیدِ میلادُ النبی منعقد کی جاتی۔ سات دن تک محل کے ساتوں دروازے ہر خاص وعام کے لئے کھلے رہتے۔ محل میں آنے والوں کو ہر رات میلاد کے ختم ہونے پر لڈّو تقسیم کئے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کی یوم پیدائش کی رات بارہ توپوں کی سلامی دی جاتی تھی۔

میرے والد جناب حامد علی خانصاحب عرف بگّن دادا کی جاگیر لہن گاؤں میں ہے اور اسی گاؤں کے قرب و جوار میں مرحوم نواب جناب معصوم علی خانصاحب اور اُن کے چھوٹے بھائی جناب یعقوب علی خانصاحب کی بھی جاگیریں ہیں۔ان کی حویلی کا نام مبارک محل ہے۔ ہمارے خاندان کے مبارک محل کے مکینوں سے بہت گہرے مراسم ہیں۔ایک طرح سے ہم سب اپنی جاگیروں پر مشترکہ ہی کاشت کرواتے چلے آرہے ہیں۔ زمین داری کی نگہداشت کے لئے والدصاحب اور جناب یعقوب علی خانصاحب کے صاحب زادہ جناب یوسف علی خاں زیادہ تر لہن میں ہی رہتے ہیں۔لیکن جب بھی دونوں ٹونک آتے جناب منظور عالم صاحب سے ضرور ملنے جاتے تھے اور ہر معاملہ میں چاہے وہ زمین داری اور کاشت کاری سے متعلق ہو یا گھر اور خاندان سے تعلق رکھتا ہو صرف اُنھیں سے مشورہ لیتے اور اُس پر عمل کرتے۔ جناب منظور عالم صاحب کا صلاح ومشورہ ہم سب کے لئے حرفِ آخر ہوتا تھا۔

طارق میاں میرے کلاس فیلو اور گہرے دوست رہے ہیں۔بچپن میں اُن کو اور اُن کے بڑے بھائی مسعود میاں کو پہلی بار محل نظر باغ میں میلاد شریف دکھانے میرے والد صاحب ہی لے کر گئے تھے۔ جب ہم اُن کے گھر جاتے تو جناب منظور عالم صاحب ہم سے ہماری تعلیم، ہمارے شوق، ہمارے مشاغل اور شہر و ملک کے حالات غرض یہ کہ مختلف مضامین پر سوال و جواب اور تبصرہ کرتے تھے۔اگر وہ کسی کام میں مصروف ہوتے تو ہمیں پڑھنے کے لئے کوئی اخبار دے دیتے اور اخبار کے صفحہ کا حوالہ دے کر اس میں چھپی کچھ خاص خبروں کو پڑھنے کی ہدایت بھی کرتے اور ہمارے رخصت ہونے سے پہلے اس خبر پر ضرور تبصرہ کرتے تھے۔ان کی صحبت میں تھوڑا وقت گزارنے پر ہی معلومات میں بے پناہ اِضافہ ہو جاتا تھا۔

منظور عالم صاحب اُن سے ملنے آنے والوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی موقعہ نہیں گنواتے تھے۔ دنیا کے ہر مضمون پر معلومات کا ان کے پاس بیش بہا خزانہ تھا۔ اُن کی گفتگو اُن کے بیان میں جادو تھا۔ ہر شخص مسحور ہو کر اُن کو سنتا رہتا تھا۔ وہ قوم اور عوام کے رہنما اور بے لوث خدمت گار تھے۔ ہر خاص و عام کی مدد اور رہبری کے لئے ہر وقت تیّار رہتے تھے۔ حقیقی معنوں میں وہ رہبرِ ملّت تھے۔

۱۹۷۱ء میں حکومت نے نوابوں کے پریوی پرس بند کر دئے۔ اس کے بعد ریاست ٹونک کی بہت سی روایتوں نے دم توڑنا شروع کر دیا۔ محل نظر باغ سے پولس گارڈ ہٹا دیئے گئے، رمضان اور عید پر توپوں کی گھن گرج خاموش ہوگئی۔ بارہ وفات پر میلاد اور توپوں کی سلامی موقوف ہوگئی۔ لیکن منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب نے عوام کے تعاون اور حکومت کی اجازت سے رمضان اور عید پر توپوں کو داغنا دوبارہ شروع کروایا۔ دیگر روایتوں کو بھی قائم رکھنے کی پوری کوشش کی۔ ۱۹۷۴ء میں نواب اِسمٰعیل علی خاں انتقال فرما گئے۔ ان کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ ریاست ٹونک کے راجستھان میں مدغم ہونے کے بعد نواب کا عہدہ اور اقتدار تو پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ نواب کی مملکت اور رتبہ بھی نظر باغ تک سمٹ کر رہ گیا تھا۔ ملک کی جمہوری حکومت یا کوئی بھی سرکاری غیر سرکاری اِدارہ اب کسی شخص کی تاج پوشی ٹونک نواب کے عہدہ پر نہیں کر سکتا تھا۔ ہندوستان کے دیگر ریاستوں اور مملکتوں میں کسی نواب یا راجہ کے فوت ہونے پر اس کے خاندان کے ہی افراد کسی نرینہ وارث کی تاج پوشی یا راج تلک کر دیتے ہیں۔

منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب نے عوام کے تعاون سے ٹونک نواب

کے عہدہ کو قائم اور نوابی سلسلہ کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا۔شہر کے ہزاروں لوگوں کو جمع کیا۔ ہر مذہب وملّت ، ہر محلّہ اور بستی کے باشندگان اور خاندانِ امیریہ کے سیکڑوں افراد اُن کی ایک آواز پر جمع ہو گئے۔جنھیں ساتھ لے کر وہ مبارک محل پر آئے اور ٹونک نواب کی گدّی کے جائز حق دار جناب معصوم علی خانصاحب کی تاج پوشی عوام کے ذریعہ کی گئی۔دونوں حضرات نے عید کے دن عوام کے ہزاروں لوگوں کو دوبارہ مبارک محل پر جمع کیا اور نواب معصوم علی خانصاحب کو ایک بہت بڑے جلوس کے ساتھ عیدگاہ لے جایا گیا۔نواب سعادت علی خاں کی وفات کے بعد سے ہر بار ٹونک نواب کی گدّی نشینی کے لئے تنازعہ ہوا۔لیکن اس بار کوئی تنازعہ نہ ہوا۔جس کی تاج پوشی خود عوام نے کی ہو اس کی مخالفت کون کر سکتا تھا۔راجستھان ہی نہیں ہندوستان کی تاریخ میں بھی ایسی نظیر ملنا مشکل ہے جب ایک جمہوری ملک میں عوام نے کسی نواب کی تاج پوشی کی ہو۔

منظور عالم صاحب اور حبیب الدین صاحب عوام کے مخلص، معتبر اور معتمد نمائندے اور قائد تھے جنھوں نے جناب معصوم علی خانصاحب کو جمہوری نواب کی حیثیت سے روشناس کرایا۔اور ٹونک میں نوابی سلسلہ قائم رہا۔

☆☆☆

ہمارا
آشیانہ

شاخِ گل پر چہک و لیکن
کر اپنی خودی میں آشیانہ!